ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

زندگی موت اور انسان

آئینۂ قرآنی میں

از

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

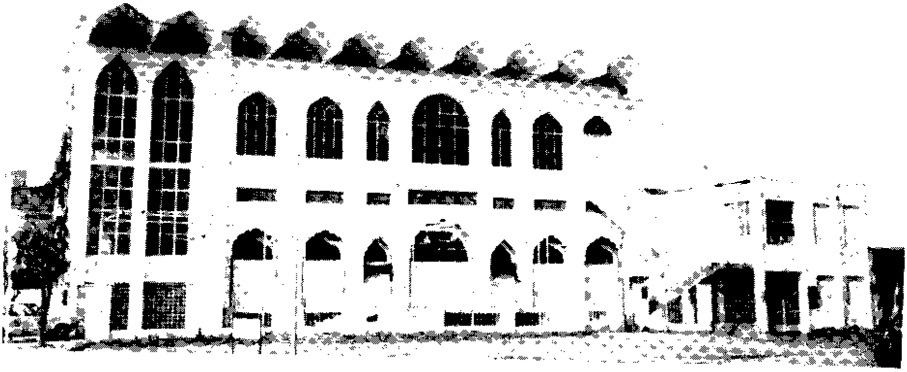

جو رمضان کی مبارک راتوں میں پوری رات

حدیثِ نبویؐ

مَا اجتَمَعَ قَومٌ فی بیتٍ مِن بیوتِ اللہ یتلون کتٰبَ اللہِ وتیدارسُونَ بینَھُمْ اِلّا نزلت علَیھم السکینۃُ وَغشیَتھُمُ الرحمۃُ وحَفّتھُمُ الملئکۃُ۔

کی مصداقِ کامل بنی رہتی ہے!

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

جاری کردہ : ڈاکٹر محمد رفیع الدّین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی : ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر : حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

مینجنگ ایڈیٹر : اقتدار احمد

جلد ۷ | اپریل مئی ۸۸ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ | شمارہ ۴، ۵

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون : ۸۵۲۶۱۱

کراچی آفس : ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون : ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زر تعاون ۴۰/- روپے فی شمارہ ۴/- روپے

مطبع : آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاھور

اس شمارے کی قیمت ۵ روپے ہے

رمضان المبارک
کا
بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر
قرآنِ مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے۔

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور اب سندھی زبان میں
بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوق اشاعت ڈاکٹر صاحب
کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اسرار احمد

'حکمتِ قرآن' کا پیشِ نظر شمارہ اپریل اور مئی ۸۸ء کی دو اشاعتوں کے قائم مقام ہے' اور چونکہ یہ' ان شاء اللہ العزیز' اکثر قارئین تک رمضان مبارک کے دوسرے عشرے کے آغاز میں پہنچ جائے گا، لہٰذا اس میں ایک تو راقم کی ایک پرانی تحریر 'عظمتِ صوم' بعض ترامیم اور اضافوں کے علاوہ نئی کتابت اور جدید تزئین کے ساتھ شامل ہے' اور دوسرے "زندگی، موت اور انسان' آئینۂ قرآنی میں" کے عنوان سے راقم کی بعض دوسری پرانی تحریریں بھی نئی کتابت اور جدید ترتیب کے ساتھ شامل ہیں۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ بعض احباب کی طبع نازک پر یہ "نئی بوتلوں میں پرانی شراب" کی پیشکش گراں گزرے گی، لیکن راقم اپنے قلب اور ذہن دونوں کے ہاتھوں مجبور ہونے کی بنا پر معذرت کے ساتھ مستدعی ہے کہ رفقاء و احباب ان تحریروں کی قدامت کی بنا پر انہیں نظر انداز نہ کریں، بلکہ انہیں نئے ذوق و شوق کے ساتھ بالخصوص رمضان مبارک کے آخری عشرے میں مطالعہ فرمائیں۔ اُمید واثق ہے کہ ان پر ہمارا دردِ دل بھی واضح ہو جائے گا۔ (اور اس طرح ہماری معذرت بھی قبول ہو جائے گی) ــــــ اور کیا عجب کہ انہیں اِس بادۂ کہن میں ایک لذّتِ تازہ کا احساس ہو' اور ان کے ذریعے انہیں عہدِ حاضر کے ایک اہم اور فعّال دینی عنصر کے دینی تصورات کی اس بنیادی کمی یا کجی کا کماحقہٗ ادراک و شعور حاصل ہو جائے جو بہت سی احیائی تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب ہے!

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اب سے لگ بھگ ایک صدی قبل تک مسلمان معاشرے کی مذہبی قیادت کے بحرِ محیط میں دو رَوئیں بہت حد تک جُدا جُدا چل رہی تھیں ـــــ (اگرچہ کہیں کہیں "الشاذ کالمعدوم" کے درجہ میں ان کے مابین تالیف و امتزاج کی صورتیں بھی نظر آجاتی تھیں) ـــــ ان میں سے ایک رَو کے نمایاں مظاہر تھے مدارس و مکاتب، مساجد کی امامت و خطابت اور افتاء و قضاء کے مناصب، اور دوسری رَو کے اہم مظاہر تھے پیری مریدی اور سلوک و ارشاد کے سلسلے اور زاویوں اور خانقاہوں کا نظام ـــــ ان میں سے اوّل الذکر کو سرپرستی حاصل رہی اوّلاً امراء و سلاطین کی، اور بعد ازاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی، جبکہ مؤخر الذکر کو قبولِ عام اور نیازمندانہ تعاون حاصل رہا عوام النّاس کا۔

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ جسدِ ملّی کے بہت سے عوارض و امراض کا اصل سبب یہ ہے کہ تقریباً سات آٹھ سو سال تک یہ دونوں سلسلے نہ صرف آزادانہ اور جُداگانہ انداز بلکہ بسا اوقات مخالف اور متضاد سمتوں میں پروان چڑھتے چلے گئے! اور ان کے مابین آمیزش اور تالیف (SYNTHESIS) تو شاذ کے درجہ میں رہا، اکثر و بیشتر آویزش اور چشمک، اور رقابت و مخالفت کا سماں بندھا رہا، چنانچہ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ صوفی و مُلّا کی چشمک اور مدرسہ و خانقاہ کی رقابت ہمارے شعر و ادب کا ایک دلچسپ اور جاندار موضوع رہا ہے۔

اسی طرح یہ حقیقت بھی اصحابِ فہم و شعور سے مخفی نہیں ہے کہ بعض دوسرے اسباب و عوامل کے ساتھ ساتھ ہمارے جسدِ ملّی کے ان دو سلسلوں کے باہمی تصادم کو بھی اُس اجتماعی ضعف و اضمحلال کی شدّت اور قوّتِ مدافعت و مقاومت کی کمی میں اہم دخل حاصل ہے جس کی بنا پر ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!" کے مصداق استعماری بھیڑیوں کو عالمِ اسلام پر پنجہ زنی کی جرأت حاصل ہوئی چنانچہ کہاں تو وہ عالم تھا کہ بقول علّامہ شبلی مرحوم ؎

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلتے جاتے تھے ایوانِ گِرِ کسریٰ میں شکار!

اور کہاں نوبت بایں جا رسید کہ لارڈ کلائیو اور کرنل لارنس ایسے 'چھوکروں' نے عالمِ اسلام کو تکہ بوٹی کر کے رکھ دیا!

عالمِ اسلام پر مغربی استعمار کے غلبے کا دَور اس کے مشرقی بازو یعنی ملائشیا، انڈونیشیا اور برّعظیم پاک و ہند پر تو لگ بھگ دو صدیوں پر محیط تھا، لہٰذا یہاں تو مغربی فلسفہ و فکر اور تہذیب و تمدّن کے اثرات فطری طور پر نہایت گہرے رہے ہیں، مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ پر یہ تسلّط اگرچہ صرف نصف صدی تک محدود رہا لیکن یورپ سے جغرافیائی قرب کے باعث مغربی تہذیب سے تأثر و انفعال میں یہ علاقے بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔

اس استعماری تسلّط اور فکری و تہذیبی غلبے کے دوران جسدِ ملّی میں عمل اور ردِّ عمل کے بہت سے مظاہر سامنے آئے جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آمیزش اور تالیف (SYNTHESIS) کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں (جن پر تفصیلی گفتگو ہم نے "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" —— اور "تاریخ اسلام میں عقل اور نقل کی کشمکش" نامی تحریروں میں کی ہے!) —— تاہم اس وقت جس اہم حقیقت کی جانب اشارہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس دَور میں مذہبی قیادت کے دونوں متذکرہ بالا سلسلوں کی گرفت کمزور پڑی، اور ایک نیا فعال مذہبی عنصر منصّۂ شہود پر آیا جس کا مؤقف بلکہ دعویٰ یہ تھا کہ وہ "مادر پدر آزاد" اور مغربی تہذیب سے مرعوب 'جدیدیت' (MODERNISM) —— اور "لکیر کی فقیر" اور تقلیدِ اعمیٰ پر مبنی دقیانوسی 'رجعت پسندی' (REACTIONARY OBSCURANTISM) کے بین بین ایک ترقی پسندانہ نقطۂ نظر کا حامل اور ہر اعتبار سے معقول اور منطقی (SCIENTIFIC) مذہبی فکر کا علمبردار ہے۔

جہاں تک اس نئے مذہبی عنصر کی فکری امامت کے منصب کا تعلّق ہے، اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اس پر تا حال پُورے عالمِ اسلام کی سطح پر صرف علّامہ اقبال مرحوم و مغفور فائز ہیں۔ جنہوں نے ایک جانب دونوں قدیم مذہبی سلسلوں سے اپنی مایوسی اور دلگیری کا اظہار ان درد بھرے الفاظ میں کیا کہ ؏

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک!

اور دوسری جانب متذکرہ بالا 'جدیدیت گزیدہ' اور 'رجعت پسند' رجحانات سے اپنی بیزاری کا اظہار اس بلیغ پیرائے میں کیا کہ

کہا اقبال نے شیخ حرم سے   تہہ محراب مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی   فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

تاہم عملی جدّوجہد کے میدان میں اس تیسرے اور جدید فعّال مذہبی عنصر کا ظہور ان متعدّد احیائی تحریکوں کی صورت میں ہوا جو مشرق سے مغرب تک بہت سے مسلمان ممالک میں تقریباً ایک ہی وقت میں شروع ہوئیں اور جن کے بارے میں محترم نعیم صدیقی صاحب کا یہ شعر صد فی صد درُست ہے جو انہوں نے لگ بھگ تیس برس قبل کہا تھا ؎

ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ، کہیں اُونچا کہیں مدّھم!

دُوسرے بہت سے اہم امور سے قطع نظر، ان جملہ احیائی تحریکوں کی ایک قدر مشترک یہ بھی رہی کہ انہوں نے جو جدید تصوّرِ اسلام اختیار کیا اس میں اگرچہ اسلام کے نظامِ حیات کی معقولیّت اور برتری کے ضمن میں عقلی اور منطقی استدلال کی بھی کوئی کمی نہیں، اور الحمدللہ کہ وہ انقلابی جذبہ اور جوش وخروش بھی نمایاں طور پر موجود ہے جس کے ڈانڈے بلاشبہ غلبہ واقامتِ دین کے لیے 'جہاد فی سبیل اللہ' سے ملتے ہیں لیکن افسوس کہ دین کے روحانی اور باطنی (ESOTERIC) پہلو کی خطرناک حد تک کمی ہے۔ نتیجتاً اُن کا ربط وتعلّق قدیم مذہبی سلسلوں میں سے طبقۂ علماء کے ساتھ تو ادنیٰ درجہ میں ہی سہی کسی نہ کسی حد تک قائم ہوا لیکن تصوّف اور اہل تصوّف سے تو بالکل کٹ کر رہ گیا ——— اور ان کے ضمن میں ذہنی تحفظّات نے رفتہ رفتہ فصل وبعد سے آگے بڑھ کر نفرت وحقارت کی صورت اختیار کر لی ——— (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس کوچے میں نیاز اہی نہیں، دکاندار، صوفی بکثرت پائے جاتے ہیں تو دوسرے میدان میں بھی دین ومذہب کے سوداگروں اور فتویٰ فروش مولویوں کی ہرگز کوئی کمی نہیں ہے! اور اُمّت کے زوال اور دین کے فساد میں حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے قول کے مطابق غلط کار "رہبان" کے ساتھ ساتھ "احبارِ سوءِ" کو بھی برابر کا دخل حاصل ہے۔)

اس ذہنی امتیاز (MENTAL DISCRIMINATION) کی ایک نہایت نمایاں اور دلچسپ مثال یہ ہے کہ برِّعظیم پاک وہند کے جدید احیائی حلقوں میں بارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم اور 'مجمع البحرین' اور جامع شریعت وطریقت ہونے کے اعتبار سے عدیم النظیر شخصیّت یعنی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف اور تالیفات میں سے حُجّۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصُول التفسیر،

اور الانصاف فی بیانِ سببِ اختلاف ایسی کتب تو بہت مقبول ہیں، لیکن تفہیماتِ الٰہیہ، ہمعات، سطعات، اور لمعات ایسی کتب سے کوئی تعلّق و اعتنا نہیں پایا جاتا۔ ـــــ رہیں فیوض الحرمین اور انفاس العارفین ایسی کتب تو اُن کے ضمن میں تو صرف غضِّ بصر ہی پر اکتفا نہیں باضابطہ 'تبرّا' پایا جاتا ہے!

اس امرِ واقعی پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر بجالایا جائے کم ہے کہ عہدِ حاضر کے فکرِ اسلامی کے امام علّامہ اقبال مرحوم کے یہاں دین کے باطنی پہلوؤں کا ادراک بتمام و کمال موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM) کی تو بنیاد ہی "باطنی تجربے" یعنی وارداتِ روحانی پر قائم کی ہے ـــــ ان کے منظوم کلام میں اگرچہ ابتداءً تصوّف سے بُعد کے آثار پائے جاتے تھے تاہم ان کا بعد کا پُورا کلام تصوّف کی چاشنی سے لبریز اور باطنی سوز و ساز، کیف و سرور، حتّٰی کہ جذب و مستی کی کیفیات سے سرشار ہے یہاں تک کہ اپنے فارسی کلام کے اعتبار سے تو وہ یقیناً رومیِ ثانی کی حیثیّت رکھتے ہیں ـــــ (یہی وجہ ہے کہ برِّعظیم پاک و ہند میں قدیم مذہبی فکر کے خلاف انتہا پسندانہ ردِّ عمل (ANTI-THESIS) کی سب سے بڑی علامت یعنی غلام احمد پرویز کو علّامہ مرحوم کے ساتھ تمام تر محبّت و عقیدت کے ادّعا کے باوصف ان کے کلام کے اس پہلو کی تردید اور اس سے اعلانِ برأت اور اظہارِ بیزاری کے لیے ایک باقاعدہ کتاب تصنیف کرنی پڑی) ـــــ تاہم اس امرِ واقعی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ جو احیائی تحریکیں اس وقت میدان میں عملاً برسرِ کار ہیں، وہ جس طرح امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فلسفیانہ اور متصوّفانہ تصانیف سے اظہارِ برأت کرتی ہیں اسی طرح تاحال اُن کا کوئی ذہنی و قلبی رشتہ علّامہ مرحوم کے فکر کے اس گوشے کے ساتھ بھی قائم نہیں ہو سکا!

یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان احیائی تحریکوں کے جسدِ فکری کا بھی ایک پہلو بالکل مفلوج ہے ـــــ چنانچہ اِن حلقوں میں عقائد و نظریات کے ضمن میں عقلی اور منطقی بحثوں کی تو خوب گرم بازاری پائی جاتی ہے، اور اسلام کی ملّی و سیاسی اور عمرانی و معاشرتی تعلیمات پر بھی خوب سیر حاصل گفتگو ہوتی ہے[۱] ـــــ لیکن نہ حقیقتِ انسان کے ضمن میں رُوح کی حیاتِ باطنی اور اس کے متضمّنات اور لوازمات کا کوئی ذکر ملتا ہے، نہ حقیقتِ احسان کے ضمن میں یقین کی

[۱] آئندہ صفحے پر دیکھیے!

اُس کیفیت کا کوئی سُراغ ملتا ہے جو حکمتِ نبویؐ میں "کَاَنَّکَ تَرَاہُ" کے مبارک الفاظ میں بیان ہوئی ہے ——— اسی طرح عمل کے میدان میں بھی ان حلقوں میں جوشِ تبلیغ اور جذبۂ جہاد کی تو بحمد اللہ بہت فراوانی پائی جاتی ہے، لیکن نہ خشوع و خضوع، تضرّع و اخبات اور تجرّد و تبتّل کی کیفیات، نہ عبادات کے ذوق و شوق اور لذّتِ دعا اور حلاوتِ مناجات کا مشاہدہ ہوتا ہے، نہ ع "من کی دنیا! من کی دنیا، سوز و مستی جذب و شوق" کی کیفیت نظر آتی ہے ——— اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ان تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب ہے!

اور اگرچہ ——— ایک[1] جانب ہماری سوچی سمجھی رائے، جسے ہم نے پہلے بھی برملا بیان کیا ہے[2]، یہ ہے کہ جہاں تک عہدِ حاضر میں احیاءِ ملّت اور دین کے غلبہ و اقامت کی جدّ و جہد کا تعلّق ہے اس کے تقاضے پُورے کرنا قدیم مذہبی حلقوں کے بس کا روگ نہیں ہے، اس لیے کہ، علماءِ سُوء سے قطعِ نظر، طبقۂ علماء کے "خیار" سے بھی زیادہ سے زیادہ اعتقادی فتنوں کے استیصال اور بدعات و رسومات کی بیخ کنی یعنی اسلام کے صحیح عقائد اور کم از کم تعبّدی امور کی حد تک صحیح عمل کی حفاظت و مدافعت ہی کی توقع کی جا سکتی ہے ——— رہے حلقہ ہائے تصوّف تو ان کے ضمن میں اس افسوسناک حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ فی الوقت اُن میں سے اکثر و بیشتر ——— "مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے!" ——— اور "پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!" ہی کی روش پر عمل پیرا ہیں۔ گویا ع "بالشّۂ درویشی درساز و دمادم زن!" پر تو عمل کر رہے ہیں، لیکن ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!" کا کوئی پروگرام ان کے حاشیۂ خیال تک میں موجود نہیں ——— لہٰذا اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور دینِ حق کے غلبہ و اقامت کی جدّ و جہد کے آگے بڑھنے کا اگر کوئی امکان ہے تو صرف اِن احیائی تحریکوں ہی کے ذریعے ہے۔

---

[1] اگرچہ اسلام کی معاشی و اقتصادی تعلیمات کے ضمن میں یہ تحریکیں تا حال دورِ ملوکیت میں راسخ ہو جانے والے تصوّرات کے چنگل سے آزاد نہیں ہو پائیں۔ اور اس معاملے میں بھی افسوس ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فکرِ اقبال سے کوئی استفادہ نہیں کیا، بلکہ اس میدان میں بھی کچھ غضِ بصر اور کچھ "تاویل القول بما لا یرضیٰ بہ القائل" پر عمل ہو رہا ہے۔

[2] (ملاحظہ ہو "اُمّتِ مسلمہ کے عروج و زوال" کے موضوع پر راقم کی تحریر جو سنہ ۱۹۶۷ء میں سپردِ قلم و قرطاس ہوئی تھی اور اب "سرافگندیم" نامی کتاب میں بطورِ مقدمہ شامل ہے۔)

(یہی وجہ ہے کہ راقم خود اپنی ذات اور اپنی جماعت تنظیم اسلامی، کو بھی اسی وادی کے مسافروں میں شمار کرتا ہے!) لیکن دوسری طرف ——— ہمیں اس امر کا بھی یقینِ کامل حاصل ہے کہ ان احیائی تحریکوں کے مجموعی مذہبی فکر میں باطنی پہلو (ESOTERIC ELEMENT) کے اعتبار سے جو کمی پائی جاتی ہے اگر اسے دُور نہ کیا جا سکا ——— اور ان کا مضبوط ربط اور گہرا تعلّق روح کی حیاتِ باطنی کے "عروۃ وثقیٰ" کے ساتھ قائم نہ ہوا تو یہ تحریکیں (بشمول خود ہماری تحریک کے) مستقل طور پر بے لنگر کے جہازوں کے مانند بھٹکتی رہیں گی اور انہیں کبھی منزلِ مقصود تک پہنچنا نصیب نہ ہو سکے گا!

اب یہ بھی ایک ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ ایک نارمل اور صحت مند انسانی شخصیت میں عمل کا دار و مدار فکر ہی پر ہوتا ہے یعنی فکر صحیح ہو گا تو عمل بھی درست ہو گا اور فکر میں کجی ہو گی تو عمل بھی لامحالہ کج ہو گا۔ اسی طرح فکر یک رخا ہو گا تو اس کے نتیجے میں جو شخصیتیں وجود میں آئیں گی وہ بھی لامحالہ یک رُخی ہی ہوں گی اس لیے کہ جامع شخصیتیں تو صرف جامع فکر ہی کے کوکھ سے برآمد ہو سکتی ہیں ——— گویا وقت کی اہم ترین ضرورت ایک ایسے جامع دینی فکر کی تدوین ہے جو اسلام کے جملہ ظاہری اور باطنی۔ یعنی قانونی و فقہی۔ اور ایمانی و احسانی پہلوؤں کا احاطہ کر لے۔

الحمدللہ کہ ہمارے پاس اس مطلوبہ جامع دینی فکر کا منبع اور سرچشمہ، اور مبنیٰ و مدار قرآن حکیم کی صورت میں اس شانِ محفوظیت کے ساتھ موجود ہے کہ ؎

حرفِ اُو را ریب نے! تبدیل نے! آیہ اش شرمندۂ تاویل، نے!

یہ دوسری بات ہے کہ عہدِ حاضر کے بہت سے مفسرین قرآن اور مفکرین اسلام قرآنِ حکیم کی اُن آیات سے جن کا تعلّق فلسفہ کے دقیق مسائل یا حکمت کے غامض نکات سے ہے، ایسے سرسری انداز میں گزر جاتے ہیں جیسے وہاں کوئی قابلِ التفات یا لائق اعتنا بات ہے ہی نہیں! مثلاً اس دَور کے ایک نامور مفسر، صاحب تدبر قرآن، نے سورۂ حدید کی عظیم اور پرہیبت و پُرجلال آیتِ مبارکہ "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" کے ضمن میں صرف چند سطریں تحریر کی ہیں جبکہ اس مقام پر امام رازی ایسا انسان کانپتا اور لرزتا نظر آتا ہے اور

اپنے آپ کو گھٹنے ٹیک کر یہ کہنے پر مجبور پاتا ہے کہ "اِعلم اَنّ ھٰذا المقامَ مقامٌ غامضٌ عمیقٌ مہیبٌ" (جان لو کہ یہ مقام نہایت مخفی، نہایت گہرا اور حد درجہ ہیبت والا ہے)! ——— اور لُطف یہ ہے کہ اس مقام پر مولانا اصلاحی نے ایک ماثورہ دعا کا سہارا لیا ہے جبکہ بعض دوسرے معاملات میں انہوں نے سَند کے اعتبار سے ثقہ ترین احادیث کو ایسے اٹھا کر پھینک دیا ہے جیسے (معاذ اللہ) اُن کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو ——— اسی طرح آج سے لگ بھگ پچیس تیس برس قبل کا واقعہ ہے کہ جب چنچل گوڑہ، حیدر آباد (دکن) کے کسی دار الاشاعت کی جانب سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف 'عبقات' 'میثاق' میں تبصرے کے لیے آئی تو راقم چشم دید گواہ ہے کہ انہوں نے اِسے ردّی کاغذات کی ٹوکری میں پھینک دیا تھا۔ حالانکہ خود اُن کی گواہی ہے کہ اُن کے استاذ اور امام مولانا فراہیؒ کی حیاتِ مستعار کے آخری دَور میں اُن کے تکیے کے نیچے مؤلّفِ 'عبقات' کے دادا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سطعات، ہمعات، اور لمعات ہی رہتی تھیں! اور شاہ شہیدؒ کے اپنے قول کے مطابق انہوں نے 'عبقات' اپنے جدّ امجد کی ان تصانیف کی تسہیل و تفہیم ہی کے لیے تصنیف کی تھی! ——— اور یہ معاملہ صرف ایک شخص کا نہیں، بعض دوسرے مفکّرین اور داعیانِ اسلام کا حال اس سے بھی زیادہ زبوں و دگرگوں ہے!

اس کا سبب یہ ہے کہ تا حال عالمِ اسلام کے جدید مذہبی مفکّرین کے قلوب و اذہان پر انیسویں صدی عیسوی کی سائنسی عقلیت (SCIENTIFIC RATIONALISM) کی چھاپ نہایت گہری ہے اور جس طرح مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے جدید مادّی تہذیب کو 'دجّالیت' سے تعبیر کیا ہے اِس لیے کہ دجّال کی طرح اس کی بھی بس ایک ہی آنکھ ہے۔ اسی طرح یہ جدید مذہبی فکر بھی یک رخا اور یک چشم ہے! ——— اور ہمیں یقین ہے کہ جب تک اس کی دوسری آنکھ پر بندھی ہوئی پٹّی نہیں کھلے گی غلبۂ اسلام اور احیائے دین کی بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے اپنی حیاتِ مستعار کے گزشتہ بائیس برس تعلیم و تعلّم قرآن کی جس تحریک کی نذر کیے ہیں اُس میں اگرچہ نمایاں عنصر قرآن کی انقلابی دعوت کا ہے۔ (جس کی علمبردار ہے 'تنظیم اسلامی' اور نقیب ہے مجلّہ 'میثاق') لیکن اس کے ساتھ ساتھ فکرِ قرآنی کے حکیمانہ اور فلسفیانہ پہلوؤں پر بھی پُورا زور دیا جاتا ہے ——— اور ان بائیس سالوں کے

دوران قرآن حکیم کے جس درس و تدریس میں راقم نے بفضلہ تعالیٰ جسم و جان کی بیشتر اور بہتر توانائیاں صرف کی ہیں اُس میں جہاں غلبہ و اقامتِ دین کی تحریک اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی دعوت کی گھن گرج موجود ہے وہاں، الحمدللہ کہ قرآن کے علم الحقائق کی روشنی اور قرآنی تصوف و احسان کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے[1]۔ اور جیسے کہ اس سے قبل بارہا عرض کیا جا چکا ہے، اس میں راقم کے کسی ذاتی کمال کو ہرگز کوئی دخل حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے راقم کے لیے ایسے حالات پیدا فرما دیئے کہ وہ اگر ایک جانب متعارف ہوا مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی وساطت سے قرآن کی تحریکی اور انقلابی تعلیمات سے، تو دوسری جانب واقف ہوا مولانا فراہیؒ اور خود مولانا اصلاحی کے ذریعے قرآن حکیم کے داخلی نظم اور فطری طریق استدلال سے، اسی طرح اگر ایک جانب اُسے رسائی حاصل ہوئی علامہ اقبال ہی کے اس شعر کے مصداق کہ

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا !!

—— خود علامہ اقبال اور ان کے فلسفۂ خودی کے صحیح ترین شارح ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی وساطت سے قرآن حکیم کے اس جامع فکر و فلسفہ سے جو عہدِ حاضر کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ذہین ترین اشخاص کے لیے "وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ" کا سامان فراہم کر سکتا ہے —— تو دوسری طرف اپنے اس پورے ذہنی سفر کے دوران اس نے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمۂ قرآن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے "عروۃ وثقیٰ" کو جن میں رسوخ فی العلم، کے علاوہ سلفِ صالح کے ساتھ تعلق کا تسلسل بھی ہے اور قرآن کے تصوف و احسان کی چاشنی بھی! فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ !!

---

[1] چنانچہ حال ہی میں جب راقم الحروف کا مسلسل درس قرآن سورۃ حدید سے ہوتے ہوتے سورۃ حشر تک پہنچا تو سورۃ حدید کی آیۂ مبارکہ "ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ۔۔۔۔۔" (الآیہ) اور سورۃ حشر کی آیۂ کریمہ "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ ۔۔۔۔" (الآیہ) میں سے ہر ایک پر ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو گھنٹوں پر مشتمل تین تین نشستیں صرف ہوئیں اور الحمدللہ کہ تین تین چار چار صد سامعین میں سے کسی نے "لَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ كَثْرَۃِ الرَّدِّ" کے مصداق کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں کی۔

بہر حال قرآن کے متذکرہ بالا علم الحقائق اور تصوّف واحسان کے وسیع وعریض دسترخوان سے جو چند لقمے راقم کو میسّر آئے ہیں وہ اُسے نہایت عزیز ومحبوب ہیں۔ اور ان ہی میں سے بعض کو اس نے اپنے رفقاء واحباب کی ضیافتِ معنوی کے لیے ع "گوہر دریائے قرآں سفتہ ام" کے مصداق اپنی ان تحریروں کے دسترخوان پر چُنا ہے جو اس شمارے میں بارِ دگر پیش کی جارہی ہیں۔ اس لیے کہ اِن کے بارے میں راقم کی قلبی کیفیت بالکل وہی ہے جو اقبال کے ان اشعار میں ہویدا ہے کہ:

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لُٹا دے اسے
لُٹا دے، ٹھکانے لگا دے اِسے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا تھا۔ گویا اس نے بحمداللہ اپنی زندگی کے سولہ سال پُورے کر لیے ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو انجمن کا سولہواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں آئندہ دو سال کے لیے انجمن کی مجلسِ منتظمہ کا انتخاب بھی ہوا اور سالانہ حسابات بھی پیش ہوتے۔ ساتھ ہی انجمن کے معتمد صاحب کی جانب سے سال ۱۹۸۷ء کی کارکردگی کی مختصر رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ جس کی مزید تلخیص اس شمارے میں شائع کی جارہی ہے۔

اس رپورٹ سے اُس دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم وتعلّم قرآن کی وسعت کا ہرگز کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا جس میں راقم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر کے طفیل اپنی زندگی کے بائیس سال کھپائے ہیں۔ اِن دنوں راقم نے اپنے بعض خطاباتِ جمعہ میں اس دعوت کو اللہ تعالیٰ نے جن کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا ہے اُس کے بعض گوشوں کی جانب اشارے کیے ہیں، اور راقم کی خواہش ہے کہ وہ ان پہلوؤں کو ایک مربُوط تحریر کی صورت میں قلمبند کر دے تاکہ بموجب فرمانِ الٰہی "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" ـــــ اللہ تعالیٰ کے اُن احسانات کا ذکر علیٰ رؤوس الاشہاد ہوجائے جن کے طفیل ایک بندۂ عاجز وحقیر کی مساعی اسے اپنی نگاہوں کے سامنے بارآور

ہوتی نظر آئیں۔ جس سے "وَاُخرٰی تحبّونھا" کے مصداق انسان کو طبعی طور پر خوشی محسوس ہوتی ہے' ــــــــ اور اس طرح انسان کے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کے شکر و امتنان کے جذبات اُبھرتے ہیں!

ویسے بھی "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" کے عنوان سے راقم کی جو تحریریں اولاً 'میثاق' اور پھر 'حکمت قرآن' میں شائع ہو چکی ہیں اُن کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے اس دعوت کی وسعت' اس کے اثر و نفوذ' اور کامیابی و پذیرائی کے مظاہر کا ایک جائزہ ضروری ہے تاکہ اس سے ایک جھلک اُس 'منظر' کی بھی سامنے آجائے جس کا 'پس منظر' ان تحریروں میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو اب یہ کام پہلی فرصت میں کرنے کا ارادہ ہے تاکہ اس کتاب کی اشاعت مزید مؤخر نہ ہو ــــــــ اور اگر اس ماہ رمضان مبارک ہی میں اس منظر کی نقشہ کشی 'موقلم' کی بجائے قلم سے ہو گئی تو ان شاء اللہ حکمت کے آئندہ شمارے میں ہدیۂ قارئین کر دی جائے گی۔

اس دعوت و تحریک کی پیش رفت کا ایک مظہر رمضان مبارک میں نماز تراویح کے ساتھ پورے قرآن مجید کے ترجمے کا دَورہ ہے۔ راقم نے محض اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر اب سے پانچ سال قبل اس کا آغاز کیا تھا۔ چنانچہ پہلے دو سال لاہور اور پھر ایک سال کراچی میں یہ خدمت خود انجام دی ــــــــ گزشتہ سال لاہور میں تین مقامات پر یہ کام راقم کے نوجوان ساتھیوں نے کیا۔ اب اس سال رفقاء کے اصرار پر پھر راقم ہی یہ خدمت 'جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن لاہور میں سرانجام دے رہا ہے' اور اس بار لاہور میں ۶۴ مقامات پر ٹیلیفون ریلے سسٹم کے ذریعے یہ دورۂ ترجمہ سنا جا رہا ہے۔ اس ٹیلیفون ریلے سسٹم کے باعث خیال تھا کہ اس سال قرآن اکیڈمی میں حاضری کم ہو گی۔ لیکن الحمدللہ کہ لوگوں میں جو طلب صحیح پیدا ہو رہی ہے اس کا نتیجہ ہے کہ پانچ سوا پانچ گھنٹے کے اس پروگرام میں عام دنوں میں ڈھائی تین صد افراد آخر وقت تک ہوتے ہیں اور شب جمعہ کو تو یہ تعداد پانچ صد کے لگ بھگ بلکہ غالباً اس سے بھی زائد تھی۔

اس دورۂ ترجمہ کے دوران راقم نے خود محسوس کیا ہے کہ قرآن حکیم کی چند آیات پر دو ڈھائی گھنٹے کے درس کی افادیت کچھ اور ہوتی ہے ـــــ اور اس مسلسل اور سریع الحرکت (RAPID) ترجمۂ قرآن کی تاثیر بالکل اور ہے ـــ جسے الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع "لذّت ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی !

اس پروگرام کے پہلے دو سالوں کے آڈیو کیسٹ کے بے شمار سیٹ دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکے ہیں۔ اس سال بھی اگر صحت اور زندگی نے ساتھ دیا اور یہ دورۂ ترجمہ مکمل ہوگیا تو ان شاء اللہ اس دعوت کو مزید توسیع حاصل ہوگی۔

اس سال انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے 'سالانہ محاضراتِ قرآنی' کا مجموعی موضوع "اسلام کا نظامِ حیات" تھا۔ ان محاضرات میں جو ۲۵ تا ۲۸ مارچ 'جناح ہال' لاہور میں منعقد ہوئے۔ قرآن کی اخلاقی و روحانی، سماجی و معاشرتی، اقتصادی و معاشی اور سیاسی و دستوری تعلیمات پر نہایت مؤثر تقاریر بھی ہوئیں اور بیش قیمت مقالات بھی پیش ہوئے۔ تقاریر کے ضمن میں تو ظاہر ہے کہ معاملہ وہی ہوتا ہے کہ ؎ "جو تو نہیں تھا شریکِ محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا۔ مرا طریقہ نہیں کہ رکھ دوں کسی کی خاطر مئے شبانہ !" ـــ البتہ مقالات کی سلسلہ وار اشاعت 'حکمتِ قرآن' میں جلد ہی شروع کر دی جائے گی ـــــ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ـ امين يارب العلمين -

---

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

زندگی موت اور انسان

آئینۂ قرآنی میں

✡

ڈاکٹر اسرار احمد

عہدِ حاضر میں انسان کے وجود کے جس داخلی تضاد کو اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں واضح کیا لسان العصر اکبرؔ الٰہ آبادی نے کہ ؎

کہا منصور نے خُدا ہوں میں — ڈارون بولا بُوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اِک دوست — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

لسانُ الملّت علاّمہ اقبالؔ کو اس کے کامل فہم میں کچھ وقت لگا۔
ابتداءً تو انہیں انسان کا صرف خاکی وجُود ہی نظر آیا چنانچہ یہ تک کہہ بیٹھے کہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لیکن بعد میں تدریجاً حقیقت منکشف ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ 'بالِ جبریل' میں فرماتے ہیں ؎

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اُس کا دلِ بے نیاز!

اور آخر کار نہ صرف یہ کہ وہ اس قطعی اور حتمی نتیجے تک پہنچ گئے کہ ہماری اصل ذات یا انا یا خودی تو ہے ہی خالصتہً نوری الاصل ؎

نقطۂ نوری کہ نامِ او خودی است — زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است!

بلکہ اس حقیقت کو بھی پا گئے کہ ہماری ہستی کا یہ نورانی عنصر در اصل خود خدا ہی کی ایک تجلّی ہے:

؎ ہے نورِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں — غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

اور دم چیست؟ پیام است! شنیدی نہ شنیدی؟
در خاکِ تو یک جلوۂ عام است نہ دیدی!!
دیدن دگر آموز! شُنیدن دگر آموز

کاش کہ عہدِ حاضر کے مسلمان کو اس "دیدن دگر" اور "شُنیدن دگر" کی توفیق مل جائے

خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

میری جو دو تحریریں اس کتابچے میں شامل ہیں ان میں سے پہلی تحریر اکیس بائیس سال پرانی ہے۔ اس لیے کہ یہ اوائل ۱۹۶۶ء میں اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب میں دوبارہ لاہور منتقل ہوا ہی تھا اور میری زندگی کے اس دور کا آغاز ہونے والا تھا جس کے اہم نشاناتِ راہ ہیں پیشۂ طب سے علیحدگی، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس اور تنظیم اسلامی کا قیام ——— اس زمانے میں مولوی محی الدین سلفی مرحوم و مغفور ہفت روزہ "الاعتصام" کے ادارۂ تحریر سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اشاعت کے لیے کسی مضمون کی فرمائش کی ——— میں کبھی اپنے زمانۂ طالب علمی میں تو اسلامی جمعیت طلبہ کے ہفت روزہ پرچے "عزم" میں لکھتا رہا تھا اور ۱۹۵۶ء میں تحریکِ اسلامی سے شدید ذہنی اور قلبی وابستگی کے باعث سخت اعصابی دباؤ کے تحت "تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" نامی طویل تحریر بھی میرے قلم سے نکل چکی تھی لیکن اس کے بعد سے مسلسل دس سال اس طرح گزر گئے تھے کہ کسی کو ذاتی خط لکھنے کے لیے بھی شاید ہی قلم ہاتھ میں لیا ہو ———

لہٰذا میں معذرت کرتا رہا ——— لیکن جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو ایک روز اچانک قلب و ذہن کی کسی خاص کیفیت میں یہ تحریر قلم سے صادر ہو گئی۔ "الاعتصام" جماعتِ اہلحدیث کا ترجمان تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ تحریر اس میں ہرگز نہیں چھپ سکے گی۔ لیکن محی الدین سلفی مرحوم نے اسے شائع کر دیا ——— مجھے حیرت ہوئی کہ اس پر انہیں متعدد خطوط تعریف و تحسین پر مشتمل موصول ہوئے۔ جن میں سے بعض انہوں نے مجھے بھی دکھائے۔ ان میں سے ایک خط ملک حسن علی جامعی شرقپوری نے تحریر فرمایا تھا جس میں انہوں نے اس تحریر کی بہت دل کھول کر تعریف کی تھی اور اسے حکمتِ قرآن اور فلسفۂ اقبال کا نچوڑ قرار دیا تھا ———

اس اثناء میں میرے ذہن میں "حقیقتِ انسان" کے عنوان سے اس کی دوسری قسط کا ہیولیٰ

بھی تیار ہو گیا تھا —— بلکہ اس کا ابتدائیہ قلمبند بھی ہو گیا تھا —— لیکن اُدھر اگست ۶۶ء میں جب "میثاق" کا پہلا پرچہ میری ادارت میں شائع ہوا۔ اور میں نے اپنی 'الاعتصام' میں شائع شدہ تحریر کو بھی اُس میں شامل کر دیا تو مولانا امین احسن اصلاحی نے اسے ناپسند فرمایا کہ یہ "ابوالکلامی انداز ہے —— اس کا زمانہ گزر چکا!" میثاق، چونکہ اس وقت اُنہی کے "زیرِ سرپرستی" شائع ہو رہا تھا لہٰذا میں نے اُن کے جذبات کا احترام کیا —— اور اس طرح اُس دوسری قسط کی تکمیل و تسوید کی نوبت نہ آ سکی۔ (بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس طرز کی بس ایک ہی تحریر میرے قلم سے اور نکلی جو 'راہِ نجات' نامی کتابچے میں شامل ہے) تاہم اس کے بعض نکات گاہے بگاہے میرے ذہن میں کلبلاتے رہے۔

اواخر ۸۴ء میں اچانک اس 'کلبلاہٹ' نے زور کیا اور اس کا ایک حصّہ ذہن سے بذریعۂ قلم قرطاس پر منتقل ہو گیا تو خیال آیا کہ اگر اسے شائع کر دیا جائے تو شاید تکمیل کا فطری تقاضا دوسری مصروفیات میں سے وقت نکالنے پر آمادہ کر سکے۔ چنانچہ اوّلاً 'حکمتِ قرآن' کے نومبر ۸۴ء کے شمارے میں دوبارہ "حقیقتِ زندگی" اور دسمبر ۸۴ء میں "حقیقتِ انسان" کی قسطِ اوّل اشاعت ہوئی۔ اس کے بعد الحمدللہ کہ مارچ اپریل ۸۴ء کے مشترک شمارے میں "حقیقتِ انسان" کی دوسری قسط بھی شائع ہو گئی —— لیکن افسوس کہ مضمون طوالت اختیار کر گیا اور اس کی تکمیل کی نوبت تاحال نہیں آ سکی۔

حال ہی میں یہ خیال آیا کیوں نہ "حقیقتِ زندگی" اور "حقیقتِ انسان" کی قسطِ اوّل کو تو ایک کتابچے کی صورت میں شائع کر ہی دیا جائے۔ شاید کہ کچھ ذہین اور حسّاس نوجوانوں کو اپنی حقیقت کا سراغ مل جائے اور ان کے اندر کا سویا ہوا انسان جاگ اُٹھے!!

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

لاہور - ۱۶ر فروری ۸۸ء

حقیقتِ زندگی

زندگی محض "عناصر میں ظہورِ ترتیب"[1] ہی کا نام ہے یا اس "پردۂ زنگاری" میں کوئی حقیقتِ کُبریٰ "معشوق" بنی چھپی بیٹھی ہے[2]؟ اسی طرح موت زندگی کے خاتمے کا نام ہے یا یہ بجائے خود زندگی ہی کا ایک "وقفہ" ہے! ع: "یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر!"[3]

ہم اپنی زندگی کو "امروز و فردا" کے پیمانوں سے ناپیں اور حسرت سے پکار اٹھیں کہ:

شعر "عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن — دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں"

یا اسے ع: "جاوداں، پیہم دواں، ہردم جواں" مانیں اور اپنی ابدیّت کے سرور انگیز تصوّر سے شاد کام ہوں؟[4]

اس مسئلے کے حل کا سارا دارومدار اس پر ہے کہ آیا ہم محض "عالمِ محسوسات" تک محدود رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور صرف "حواسِ خمسہ" کی محدود دریافتوں پر اکتفا کرتے ہیں یا عقل و وجدان کی قوّتوں کو بھی کام میں لاتے ہیں اور "اپنے من میں ڈوب کر" "سراغِ زندگی" کو پانے کی سعی کرتے ہیں۔

'عالمِ محسوسات' اور 'حواسِ خمسہ' تک محدود رہیے تو زندگی بس پیدائش سے موت تک کے وقفے کا نام ہے۔ قرآنِ مجید ان 'مؤمنین تجربہ و شہود' کے تصوّرِ حیات کو ان الفاظ

---

1. "زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہورِ ترتیب — موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشاں ہونا"
2. "چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"
3. "موت اِک زندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے بڑھیں گے دَم لے کر"
4. "تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ — جاوداں، پیہم دواں، ہردم جواں ہے زندگی"

یں بیان فرماتا ہے:

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا	ہمارے لیے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۔ (الانعام)	اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا۔
اور مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ	کچھ نہیں بس یہی ہمارا جینا ہے دنیا کا۔
وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ	ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں ہلاک
(الجاثیہ)	ہوتے مگر صرف (گردش) زمانہ سے!

اور اُن کے ذہن کی پستی اور علم کی کوتاہی پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتا ہے:

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ	یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر
الدُّنْیَا۔ (الروم)	کو جانتے ہیں۔
اور ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ (النجم)	بس یہیں تک پہنچ ہے اُن کی علم میں!

کیا واقعی زندگی بس اسی مختصر سے وقفے کا نام ہے؟ ہمارے حواسِ خمسہ یقیناً ولادت کے ماقبل اور موت کے مابعد کے بارے میں بالکل لاچار و بے بس ہیں لیکن کیا عقلِ انسانی اسے باور کرتی ہے؟ اور وجدان اسے قبول کرتا ہے؟؟ ذرا آنکھیں بند کر کے اس وسیع و عریض کائنات کی عظمت و وسعت کا تصوّر کرو! پھر سوچو کہ اس کائنات کا مرکزی وجود انسان ہے سلسلۂ تخلیق کا کمال! ارتقائے حیات کی آخری منزل!

تو کیا اس کی حقیقت بس یہی کچھ ہے کہ بچپن کے "لَعِبٌ وَّلَهْوٌ"[1] اور بڑھاپے کے "لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا"[2] کے مابین ایک تھوڑے سے وقفے کے

---

[1] اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ...... الآیہ (سورۃ الحدید)
جان لو کہ دنیا کی زندگی لعب و لہو ہے ...... الخ

[2] وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا (سورۃ الحج)
اور تم میں سے کچھ لوٹائے جاتے ہیں نکمی عمر کو تاکہ نہ جانیں جاننے کے بعد کوئی چیز۔

ہوش و شعور کا نام حیاتِ انسانی ہے گویا۔ ع : "اک ذرا ہوش میں آنے کے خطاوار ہیں ہم"

جو کوئی "حیاتِ انسانی" کے اِس تصوّر پر مطمئن ہو سکتا ہو[1]، وہ ہو۔ آخر سطحِ ارض پر انسان ہی تو نہیں بستے۔ لاتعداد حیوانات، چرند پرند بھی یہیں بس رہے ہیں، تو کون سے تعجب کی بات ہے کہ خود انسانوں میں ایک گروہِ کثیر انسان نما حیوانوں ہی کا ہو!

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا	وہ دِل رکھتے ہیں لیکن غور نہیں کرتے،
وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا	آنکھیں رکھتے ہیں، پر دیکھتے نہیں،
وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا	کان رکھتے ہیں، پر سُنتے نہیں۔ وہ
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ	حیوانوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی
(سورۃ الاعراف)	گئے گزرے۔

اپنی حقیقت سے بے خبر اور اپنی عظمت سے غافل یہ انسان نما حیوان درحقیقت "اِک ذرا ہوش میں آنے کے" بھی بس مغالطے ہی میں مبتلا ہیں۔ وحیٔ الٰہی تو انہیں زندہ ہی تسلیم نہیں کرتی۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ	کیونکہ تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ ہی
الصُّمَّ الدُّعَاءَ (سورۃ الرُّوم)	بہروں کو اپنی پکار سُنا سکتے ہو۔

جن کا حال یہ ہو کہ ع : "رُوح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد" وہ کب "حیاتِ انسانی" کے لطیف حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں! قفسِ حواس کے اِن زندانیوں کو کون باور کرا سکتا ہے کہ

ع "ایسے کچھ تار بھی ہیں سازِ حقیقت میں نہاں چھُو سکے گا نہ جنہیں زخمۂ مضرابِ حواس"

ہاں! جن کا ذہن اس "چار دن" کی "عمرِ دراز[2]" پر مطمئن نہ ہوتا ہو، جن کے جسدِ خاکی میں

---

[1] وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا۔ (سورۃ یونس)
اور راضی ہو گئے حیاتِ دُنیوی سے اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔

[2] عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں (ظفرؔ)

حیاتِ حقیقی کروٹیں لے رہی ہو اور جنہیں خود اپنے اندر ہی کی کوئی چیز اپنی عظمت کی جانب اشارے کرتی محسوس ہو اُن کے "ضمیر" پر جب "نزولِ کتاب" ہوتا ہے تو حقیقتِ حیات کی "گرہ"[1] کھلتی ہے اور وحیٔ الٰہی کی بدلی سے حقائق کی بارش ہوتی ہے تو اُن کی عقل و وجدان کی پیاسی زمین کو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اُسے بعینہٖ وہی چیز مل گئی جس کی اُسے پیاس تھی۔ اور تب وہ حیاتِ انسانی جو حواسِ خمسہ کی "بندگی" میں گھٹ کر جوئے کم آب نظر آتی تھی ذہنِ انسانی کے اُن کے چنگل سے "آزاد" ہوتے ہی ایک "بحرِ بیکراں"[2] کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یہ حیاتِ دُنیوی، جو لاعلمی اور بے خبری میں "اصل حیات" قرار پا گئی تھی، سکڑ اور سمٹ کر اصل کتابِ حیات کے محض ایک دیباچے اور مقدمے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ صاعقۂ حق کوندکر اعلان کرتا ہے:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ۔ (سورۃ العنکبوت) — اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

اور انسانوں کے اس عظیم ہجوم پر نظر ڈالتے ہوئے جو حیاتِ دنیوی کے لہو و لعب ہی کو اصل حیات قرار دیئے بیٹھا ہے، حسرت کے ساتھ پکارتا ہے۔

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ — کاش کہ یہ جانتے!

پھر کبھی ڈانٹا جاتا ہے:

کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ (سورۃ القیامہ) — کچھ نہیں بس تم دُنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو تج دیتے ہو۔

اور کبھی شکوہ کیا جاتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا — تم حیاتِ دُنیوی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ

---

[1] تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف (اقبال)

[2] بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب — اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی (〃)

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ (سورۃ الاعلیٰ) آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔

اللہ! اللہ! کیا انقلاب ہے، کہاں یہ ذہن کی تنگی کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور کہاں یہ وسعتِ نظر کہ حیاتِ انسانی ابدی اور سرمدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیںؔ! کجا یہ مایوس کُن تصوّر کہ موت سلسلۂ حیات کا اختتام ہے اور کجا اس حقیقت کا ادراک کہ موت تو اصل "شہرِ زندگی" کا 'شاہ درہ' ہے۔

بدقسمتی سے اُخروی زندگی کے 'ماننے والوں' میں بھی بہت کم بلکہ شاذ ہی ایسے ہیں جو اُس کے 'جاننے والے' ہوں۔ اُس کا 'ماننا' جس قدر آسان ہے 'جاننا' اُسی قدر دشوار ہے۔ 'ماننا' تو محض توارث سے بھی مل جاتا ہے لیکن 'جاننے' کے لیے اپنے ظرفِ ذہنی کو وسیع و عمیق کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا موقع آج کی مادّہ پرست دُنیا میں کسے نصیب ہے!

ماننے والوں کی ایک غالب اکثریت نے 'حیاتِ دُنیوی' کو اصل کتاب 'جان' کر 'حیاتِ اُخروی' کو بس اس کے تتمّے اور ضمیمے کی حیثیّت سے 'مانا' ہے۔ حالانکہ 'جاننا' یہ چاہیے کہ اصل کتابِ حیات تو موت کے بعد کھلنے والی ہے۔ یہ حیاتِ دُنیوی تو بس اُس کا ایک دیباچہ ہے یا مقدمہ! وہ حقیقت ہے اور یہ محض اُس کا ایک عکس۔ وہ ابدی ہے اور لامتناہی اور یہ عارضی ہے اور مختتم، وہ حقیقی اور واقعی ہے اور یہ اُس کے مقابلے میں محض کھیل تماشا بلکہ "متاعِ غرور" ——— آیاتِ بیّنات!

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ۔ (سورۃ الرّعد) اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاعِ حقیر۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی سو کچھ نہیں نفع اُٹھانا دنیا کی زندگی کا

ؔ ع "تیری جو ابتدا نہیں میری بھی انتہا نہیں!"

الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (سورۃ التوبہ) — آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ۔ (سورۃ العنکبوت) — اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (سورۃ الحدید و آل عمران) — اور دُنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

اسی حقیقت پر شاہد ہیں۔

لیکن ’حیاتِ دُنیوی‘ کی یہ ساری بے بضاعتی اور کم مائگی ’حیاتِ اُخروی‘ کے مقابلے ہی میں ہے۔ ورنہ بجائے خود یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ذرا غور کرو جو کتابِ حکیم ”موت“ کو بھی ایک مثبت حقیقت قرار دے جو ’حیات‘ ہی کی طرح تخلیق کے مراحل سے گزری ہے[1] وہ حیاتِ دنیوی کو کب بے حقیقت ٹھہرا سکتی ہے۔ یہ بے حقیقت صرف اُس وقت بنتی ہے جب اُس کا تقابل حیاتِ اُخروی سے کیا جائے اور متاعِ غرور اُس وقت قرار پاتی ہے جب نگاہیں اُس پر اِس طور سے مرکوز ہو جائیں کہ دل و دماغ حیاتِ اُخروی سے محجوب ہو جائیں۔ یہی رمز ہے قرآنِ حکیم کے اِس تبصرے میں کہ : يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ——— یہ مومنین حیاتِ دُنیوی، خود حیاتِ دُنیوی کی حقیقت سے کب واقف ہیں۔ اِس کا بھی بس ”ظاہر“ ہی اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے خود اس کی حقیقت آشکارا ہو جائے تو حیاتِ انسانی کے جملہ حقائق تک رسائی کی راہیں روشن ہو جائیں۔

قرآنِ حکیم نے ”حیاتِ دُنیوی“ کو ’حیاتِ انسانی‘ کا ایک امتحانی وقفہ قرار دیا ہے :

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ — بنایا جینا اور مرنا تاکہ تم کو جانچے کون تم

---

[1] خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (سورۃ الملک)
بنایا جینا اور مرنا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (سورۃ الملک) میں اچھا کرتا ہے کام۔

لیعنی یہ امتحان گاہ ہے۔ نتائج آخرت میں برآمد ہوں گے۔ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا ہے" اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ "—— غرض یہ کہ آخرت سے ملا کر دیکھو تو حیاتِ دُنیوی بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے، بصورتِ دیگر اس کا کوئی حقیقی وجود ہی نہیں رہ جاتا۔

آخرت سے قطع نظر، حیاتِ دُنیوی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی ہے کھیل

لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس

بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ میں اور بہتات ڈھونڈنی مال کی اور اولاد

الْاَوْلَادِ۔ (سورۃ الحدید) کی ۔!!

لیکن بچپن کے کھیل کود، نوجوانی کی آرائش وزیبائش اور بناؤ سنگھار، شباب کے فخر و مباہات اور کہولت کے تکاثرِ اموال و اولاد کے ان ہی ادوار سے گزرتے ہوئے" اِک ذرا ہوش میں آنے" سے حیاتِ دُنیوی ایک حقیقتِ کبریٰ اور نعمتِ غیر مترقبہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور اگر یہ ہو جائے تو بس یہی حاصلِ حیات ہے۔ اگرچہ یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ یہ"ہوش" کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ۔[1]

ہوش میں آکر اگر حقیقت کی کوئی جھلک دیکھ پاؤ اور پھر اُسی کے رُخِ زیبا کے پرستار اور اُسی کی زُلفِ گرہ گیر کے اسیر ہو جاؤ تو بس یہی سرمایۂ حیات ہے، پھر جب تک یہاں رہو گے چین اور سکون سے رہو گے اور" اَحَقُّ بِالْاَمْنِ" قرار پاؤ گے[2]، موت حجلۂ عروسی

---

[1] "اور یہ بات ملتی ہے اُسی کو جس کی بڑی قسمت ہو۔" (سورۃ حٰم السجدہ) (ترجمہ شیخ الہند)

[2] "فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ" (سورۃ الانعام)

میں داخلے سے زیادہ خوش آئند نظر آئے گی اور اُس کا استقبال مسکراتے ہوئے کروگے ؎

نشانِ مردِ مومن باتو گویم　　چوں مرگ آید تبسّم برلبِ اوست[1]

اور وہاں اُٹھوگے تو اِس حال میں کہ:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ　　اُن کی روشنی دوڑتی ہوگی اُن کے آگے

وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ (سورۃ الحدید و سورۃ التحریم)　　اور اُن کے داہنے۔

اور پھر ابدالآباد تک امن اور سکون ہی میں نہیں رہوگے بلکہ تمہاری مشاہدۂ حق کی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی پیاس کو آسودگی عطا کی جائے گی۔ یہاں تک کہ تم "حقیقت الحقائق" اور "جانِ جاناں" کا مشاہدہ کروگے!

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا　　کتنے منہ اُس دن تازہ ہیں اپنے رب

نَاظِرَةٌ ۚ (سورۃ القیامہ)　　کی طرف دیکھنے والے۔

اور اگر ہوش میں نہ آئے، زمینی خواہشات[2] ہی میں غلطاں و پیچاں رہے اور اوندھے[3] منہ پڑ کر پستی ہی پر نگاہوں کو جمائے رکھا اور یہاں کی جھوٹی مسرّتوں اور آسودگیوں ہی کی تلاش میں سرگرداں رہے تو یہ زندگی تمنّاؤں اور آرزوؤں کے "بَحْرٍ لُّجِّيٍّ" میں دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتے ہی بیت جائے گی، جہاں "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کے سوا کچھ نہیں۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ　　یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی

مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ　　آتی ہے اس پر ایک لہر، اس پر ایک

---

[1] تمہیں بتاؤں کہ مردِ مومن کی نشانی کیا ہے ؟ جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ اقبال

[2] وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ (سورۃ الاعراف)
"مگر وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہشوں کے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

[3] اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سورۃ الملک)
(بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر)

سَحَابٌ۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ (سورۃ النور)
اور لہر اور اُس پر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔

پھر مرو گے اُس پیاسے کی موت جو سَراب کو پانی سمجھ کر دیوانہ وار دوڑتا رہا حتّٰی کہ انتہائی حسرت و یاس کی حالت میں جان دے دی۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ (سورۃ النور)
اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اُس کو پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اُس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس تو اس تعؑ نے پورا چکا دیا اس کا حساب۔

اور وہاں اٹھو گے اِس حال میں کہ زبان پہ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی[1] کا شکوہ ہو گا۔ اور پھر رہو گے ابدالآباد تک اِس حال میں کہ نہ زندوں میں ہو گے نہ مُردوں میں۔

ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ؕ[2]
پھر نہ مرے گا اُس میں نہ جئے گا۔

نہ عذاب کی سختی جینے ہی دے گی اور نہ موت ہی آئے گی کہ اُس سے چھٹکارا دلادے۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ ؕ[3]
نہ چکھیں گے وہ اُس میں موت۔

گویا دُنیا اور آخرت میں تضاد نہیں توافق ہے۔ غلط سمجھا جنہوں نے انہیں ایک دوسرے سے مختلف سمجھا۔ یہ دونوں باہم دگر پیوست و ہم آغوش ہیں، ایک ہی حیاتِ انسانی کا تسلسل ان میں جاری ہے۔ جس نے یہاں دیکھا وہی وہاں بھی دیکھے گا، جو یہاں ”اعمٰی“ رہا وہ وہاں ”اعمٰی“ ہی نہیں بلکہ ”اَضَلُّ سَبِیْلًا“ ہو گا۔

وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ
اور جو کوئی رہا اِس جہان میں اندھا سو

---

[1] اے رَبّ کیوں اُٹھایا تو نے مجھے اندھا؟ (سورۃ طٰہٰ)

[2] سورۃ الاعلیٰ [3] سورۃ الدخان

فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل) — وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہوگا اور بہت دُور پڑا ہوا راہ سے۔

اور حقائق سے جیسے یہاں محجوب رہا ویسے ہی حقیقتِ کبریٰ کے مشاہدے سے وہاں محروم رہے گا:

کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (سورۃ المطففین) — کوئی نہیں! وہ اُس دن اپنے ربّ سے روک دیئے جائیں گے۔

دیکھی اس حیاتِ مُستعار کی عظمت! اور اس "اِک ذرا ہوش میں آنے" کی اہمیّت تبھی تو وحیٔ الٰہی بار بار پکارتی ہے: "لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ"۔

قرآنِ حکیم بار بار پوچھتا ہے:

ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ (سورۃ الانعام) — کب برابر ہوسکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔

ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ (سورۃ الزمر) — کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے، اور بے سمجھ۔!!

حقیقت یہ ہے کہ اصل فرق 'علم' اور 'جہل' ہی کا تو ہے۔ بالکل صحیح کہا تھا جس نے کہا تھا: "علم نیکی ہے اور جہالت بدی" انسانوں کے اِس جمِ غفیر پر نگاہ ڈالو جو زمین میں بس رہا ہے اور دیدۂ بینا کو وا کرو۔ یہ ساری جہل ہی کی تو بساط پھیلی ہوئی ہے! کون سے تعجّب کی بات ہے اگر پیدائش سے موت تک کے وقفے ہی کو زندگی سمجھنے والے انسان نما حیوانوں کا یہ ہجوم چھوٹی چھوٹی چیزوں پر لڑے اور کٹ مرے، ایک دوسرے پر جھپٹے اور غرّائے۔ بالکل ٹھیک دیکھا تھا اُس صاحبِ چشمِ حقیقت بین نے جس نے انسانوں کی بستی میں بجائے انسانوں کے کتّوں، بھیڑیوں اور

سُوٗروں کو چلتے پھرتے دیکھا تھا[۱]۔ اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا کے جہلِ مرکّب کے بطن سے حرص ولالچ، حسد وبغض، غیظ وغضب، دشمنی وعداوت کے سوا اور کیا جنم پاسکتا ہے ہ یہ چھوٹی مسرّتوں اور آسودگیوں کی تلاش میں سرگرداں، حقیر سی آرزوؤں اور تمنّاؤں کے پھندوں میں گرفتار اور طولِ امل کے سراب پر دم توڑتے ہوئے انسان اسی تصوّرِ حیات کا شاہکار تو ہیں! ذرا سوچو اس جہل نے "احسن تقویم" میں تخلیق پائے ہوئے انسان کو کیسے "اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ" بنا کر رکھ دیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ	ہم نے بنایا آدمی بہترین اندازے پر،
تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ	پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے
سَافِلِیْنَ۔ (سورۃ التین)	نیچے۔

یہ کیسی چھوٹی چھوٹی اور حقیر سی چیزوں کو پاکر خوش ہی نہیں ہو جاتا اترانے لگتا ہے اور اکڑ کر چلنا شروع کر دیتا ہے اور کتنی چھوٹی تکالیف اور محرومیوں پر حسرت ویاس کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ	اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ وَاِذَا مَسَّہُ	جائے اور بچائے پہلو اور جب پہنچے اُس
الشَّرُّ کَانَ یَؤُسًا (سورۃ بنی اسرائیل)	کو برائی تو رہ جائے مایوس ہو کر۔

جہل کے یہ سارے شاہکار، تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں اور اُن کا مشاہدہ تم

---

[۱] مولانا احمد علی لاہوریؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ جوانی کے دور میں ایک روز کشمیری بازار میں گھوم رہے تھے کہ ایک مجذوب نے اُن سے کہا کہ "میں کسی انسان سے ملنا چاہتا ہوں، کیا تم پتہ بتا سکتے ہو؟" مولانا فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کہ "کیا تمہیں اس بھرے بازار میں کوئی انسان نظر نہیں آتا؟" جواباً اس مجذوب نے چاروں طرف نگاہ گھما کر کہا: "کہاں ہیں انسان؟" مولانا فرماتے ہیں کہ اس پر دفعتہً خود میری کیفیت یہ ہوگئی کہ بازار میں چاروں طرف انسانوں کے بجائے کتے اور بھیڑیئے، بندر اور خنزیر ہی نظر آنے لگے۔ یہ کیفیت بس تھوڑی ہی دیر قائم رہی۔ اس کے بعد پھر بازار انسانوں سے بھرا نظر آنے لگا، اور وہ مجذوب بھی نظروں سے غائب ہو گیا!

بچشمِ سر کر سکتے ہو لیکن 'علم' کے 'پیکر' کو دیکھنے کے لیے تمہیں اپنی چشمِ تصوّر کو وا کرنا ہوگا۔ ذرا اندازہ تو کرو اس ذہن کی وسعت کا جو حیاتِ دنیوی کو بس ایک سفر کا درجہ دے، جس کی منزل موت کی سرحد سے آگے، بہت آگے ہو۔ ع

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی!

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ"[1]

جو یہاں کی چھوٹی مسرتوں اور حقیر سی لذتوں پر "مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا"[2] کی نگاہِ غلط انداز ڈالتا ہوا حیاتِ اُخروی کی ان معنوی اور حقیقی نعمتوں پر نگاہ جمائے بڑھا چلا جائے "مالا عینٌ رأت ولا اُذنٌ سمعت وما خطر علی قلب بشر"[3] یہی تو ہیں حقیقت کے شناسا قلبِ زندہ اور دیدۂ بینا کے مالک، روحِ حیات سے ہم آغوش اور حقیقت کے جمالِ جہاں تاب کے پرستار، یہ جیتے ہیں تو "حق" کا نشان بن کر اور مرتے ہیں تو حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے۔ ع

جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں[4]

دُنیا میں انہیں "احدی الحسنیین"[5] کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور موت ان کے لیے حیاتِ جاوید کا پیغام لے کر آتی ہے: "بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ"[6]

---

[1] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: "رہو دنیا میں ایسے کہ گویا تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر!"

[2] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: "مالی وللدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا" (مجھے دنیا سے کیا سروکار! دنیا میں میرا حال تو اس سوار سے زیادہ نہیں ہے جو ایک درخت کے سائے ذرا دم لے، پھر اُسے چھوڑ کر چل دے)

[3] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا اور نہ اُن کا ادراک کسی انسان کے قلب کو حاصل ہوا۔

[4] جگر کا شعر، پہلا مصرع ہے: جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر

[5] قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ (سورۃ التوبہ)
(کہہ دو تم کیا اُمید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی)

[6] بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس کھاتے پیتے (سورۂ آلِ عمران)

یہ ہے کرشمہ اس حقیقت کے علم کا کہ حیاتِ انسانی ابدی ہے۔ درختوں کو پھلوں سے پہچاننے والو! کوئی اندازہ کر سکتے ہو اس شجرِ حیات کی عظمت کا جس کا تصوّر ذہن کی اس وسعت، نگاہ کی اُس بلندی، اور کردار کی اُس پختگی کے برگ و بار لاتا ہے: "اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ"[1]

اور ابھی یہ تو ایک ہی رُخ ہے "عظمتِ حیات" کی تصویر کا دوسرا رُخ ابھی باقی ہے ابدیّت کے رُخ کے "جاننے" والے چاہے کم ہوں۔ اُس کے "ماننے" والے بہت ہیں لیکن تصویر کے اس دوسرے رُخ کو تو شاذ ہی کسی نے دیکھا ہے۔

وحیٔ الٰہی نے جہاں "حیات بعد الممات" کے حقائق کو اُجاگر کیا ہے، وہاں حیات قبل الولادت" کی حقیقت کو بھی بالکل مخفی نہیں رکھا۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا اظہار "بطرزِ خفی" کیا ہے! لیکن اس کا سبب بالکل معقول اور بادنیٰ تامّل معلوم ہو جانے والا ہے۔ کتابِ الٰہی "ھُدًی لِّلنَّاسِ"[2] ہے اور اس نے انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کی ضرورت کو گہری حکمت کے ساتھ پیشِ نظر رکھا ہے۔ "حیات بعد الممات" کا علم انسانوں کی ایک عظیم اکثریّت کی "حیاتِ دُنیوی" کی عملی اصلاح کے لیے ناگزیر تھا۔ لہٰذا اس کے حقائق انتہائی جلی انداز میں روزِ روشن کی طرح کتاب کے ہر ورق پر نمایاں کر دیئے گئے۔ جبکہ حیات قبل الولادت کا علم صرف علم کی گہری پیاس رکھنے والے ذہنوں کی آسودگی کے لیے ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "ذہنِ رسا" کے لیے "حقیقتِ خفی" کا ادراک کیا مشکل ہے!

یہی وجہ ہے کہ تصویرِ حیات کے اس رُخ کی بس کوئی جھلک ہی کہیں کہیں دکھا دی گئی ہے! وحیٔ الٰہی نے حیاتِ دنیوی سے قبل کی ہماری کیفیّت کو "اَمْوَاتًا" کے لفظ سے

---

[1] "اُس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنیاں آسمان میں" (سورۂ ابراہیم)

[2] "ہدایت ہے واسطے لوگوں کے" (سورۂ بقرہ)

تعبیر کیا ہے کیسا صاحبِ عظمت اور کتنا حاملِ حکمت کلام ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ	کس طرح کافر ہوتے ہو اللہ تعالےٰ
اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	سے حالانکہ تم بے جان تھے، پھر زندہ کیا
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ	تم کو، پھر مارے گا تم کو، پھر زندہ کرے گا
تُرْجَعُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ)	تم کو اور پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے۔

"اَمْوَاتًا" کے لفظ کی تفسیر جس کسی نے نُطْفًا فِي الْاَصْلَابِ[1] کے الفاظ بڑھا کر کی اس نے تو خیر پھر بھی کم ازکم ایک خالص حیاتیاتی حقیقت کی طرف تو اشارہ کر دیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس نے اُسے "معدوم" کے ہم معنی قرار دیا اُس نے وحیِ الٰہی پر طبع آزمائی کرنے کی جرأت کی ہے۔

ذرا غور کرو، حیاتِ انسانی کا یہ دَور جسے ہم 'حیاتِ دنیوی' کہتے ہیں' دو موتوں کے درمیان واقع ہوا ہے۔ ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد۔ تو ہے کوئی جو بعد والی موت کو عدم سے تعبیر کرے ؟ پھر کیسا ستم ہے کہ پہلی موت کو عدم کہنے والے چاہے کم ہوں سمجھنے والے اکثر و بیشتر ہیں! واقعہ یہ ہے کہ نہ وہ موت معدوم ہونے کا نام ہے نہ کیفیتِ عدم کا اظہار، نہ اِس پر زندگی ختم ہوگی نہ اُس سے اس کی ابتدا ہوئی تھی بلکہ جیسے بعد والی موت بجائے خود زندگی ہی کا ایک وقفہ ہوگی۔ اسی طرح قبل والی موت بھی زندگی ہی کا ایک دَور تھی اور جس طرح آنے والی موت کے بعد حیاتِ اُخروی کو شروع ہونا ہے بالکل اسی طرح گزشتہ موت سے قبل بھی ایک زندگی تھی جس کا سب سے بڑا واقعہ وہ عہدِ الست ہے جس کی خبر وحیِ الٰہی نے دی اور جس کی یاد فطرتِ انسانی کی گہرائیوں میں محفوظ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ	اور جب نکالا تیرے ربّ نے بنی آدم کی
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ	پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو اور اقرار

---

[1] آباؤ اجداد کی پیٹھوں میں بشکل نطفہ (تفسیر جلالین)

عَلٰٓی اَنۡفُسِھِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ۔۔۔ کرایا ان سے ان کی جانوں پر۔کیا میں
قَالُوۡا بَلٰی شَھِدۡنَا ۔۔۔ نہیں تمہارا رَبّ ہے بولے ہاں ہے،ہم
(سورۃ الاعراف) ۔۔۔ اقرار کرتے ہیں ۔

تو کون کہہ سکتا ہے کہ جب یہ میثاق لیا گیا اس وقت عہد کرنے والوں کو اپنی ہستی کا شعور نہ تھا۔اگر ایسا ہوتا تو کیا اس عہد و میثاق کی کوئی حیثیت اور اہمیت ہو سکتی تھی جو کلامِ الٰہی کے سلسلۂ استدلال کی ایک اہم کڑی ہے! یقیناً وہاں ہر انسان نے اپنی ہستی اور تشخص کے شعور کے ساتھ عہد باندھا تھا۔تو پھر "حیات" کیا کسی اور چیز کا نام ہے؟

اِس حیاتِ اوّلیں کے اثبات پر قرآنِ حکیم کی وہ آیۂ کریمہ دلیلِ قطعی ہے جس میں اہلِ جہنّم کی فریاد ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے کہ:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَاَحۡیَیۡتَنَا ۔۔۔ اے رَبّ ہمارے تو موت دے چکا ہم
اثۡنَتَیۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا ۔۔۔ کو دوبار اور زندگی دے چکا ہم کو دوبار۔
فَھَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ۔۔۔ اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر
(سورۃ الغافر) ۔۔۔ اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ؟

ذرا 'وجود' اور 'ہستی' کے اس تسلسل پر غور کرو، جو اس آیۂ مبارکہ کے جامِ حقیقت نما سے چھلکا پڑ رہا ہے ؎

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے ۔۔۔ اِک ذرا چھیڑ تو دے زخمۂ مضرابِ حیات

ہم پورے شعورِ حیات کے ساتھ موجود تھے، پھر ہم پر "اماتۂ اولیٰ" کا عمل ہوا۔اور ہم ایک طویل عرصے کے لیے 'پہلی موت' کی گود میں سو گئے۔پھر "احیائے اولیٰ" ہوا اور ہم حیاتِ دنیوی کی "بساطِ ہوائے دل" پر 'وارد' ہو گئے۔پھر "اماتۂ ثانیہ" ہو گی اور ہم پھر اِک بار موت کی نیند سو جائیں گے اور پھر "اِحیاءِ ثانی" کا صُور پھونکا جائے گا اور ہم 'زندۂ جاوید' ہو جائیں گے۔

حقیقتِ موت

ذرا ٹھہرو! حیات کی عظمت کے ساتھ ساتھ موت کی حقیقت بھی دیکھ لو۔ یہ زندگی کا ایک 'وقفہ' ہی نہیں، سلسلۂ حیات کی ایک کڑی اور زندگی ہی کی ایک شکل ہے، بالکل نیند سے مشابہ، اب ذرا تلاوت کرو آیۂ کریمہ:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ	اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو
مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا	اُن کے مرنے کا اور جو نہیں مرے اُن کو
(سورۃ الزمر)	کھینچ لیتا ہے اُن کی نیند میں۔

اور گوشِ حقیقت نیوش سے سنو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ:

وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ثُمَّ	خدا کی قسم تم لازماً مر جاؤ گے جیسے تم سو
لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ۔	جاتے ہو۔ پھر یقیناً اٹھا لیے جاؤ گے جیسے
(حدیث)	تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔

اور یاد کرو آپ کی وہ دُعا جو آپ کی ہر صبح کا معمول تھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَمَا	تعریف ہے اللہ کی جس نے مجھے زندگی
اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔	عطا فرمائی، اس کے بعد کہ مجھ پر موت
(حدیث)	طاری فرما دی تھی۔

شاید حقیقت کی کوئی جھلک دیکھ لو!

اللہ اکبر! کیا "ظُلُمَاتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا گھُپ اندھیرا طاری ہے اِن ذہنوں پر جو موت اور زندگی کو عدم اور وجود کے ہم معنی سمجھ بیٹھے ہیں!

حقائق کے اس طرح درجہ بدرجہ اور "طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" انکشاف کے بعد اب ذرا

محسوسات کی دُنیا سے "لب بہ بند و چشم بند و گوش بند!" ہوکر وجدان کی لامتناہی فضا میں چشمِ تخیّل کو واکرو اور "تسلسلِ حیاتِ انسانی" کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کر پائے تو ایک عجیب سا کیف محسوس کروگے اور سرور و مستی سے ہم کنار ہوگے اور کیا عجب کہ تمہارے منہ سے نکل جائے: سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمَ شَانِیۡ![1] تو یہی حقیقت کا ادراک ہے! ع

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

حقیقتِ انسان

منصور کا یہ کہنا کہ "خدا ہوں میں!" ایک انتہا پر ——— اور ڈارون کا یہ "بولنا" کہ: "بوزنا ہوں میں!" دوسری انتہا پر ——— لیکن کیا یہ معاملہ ایسا ہی غیر اہم ہے کہ کوئی "دوست" اسے ہنستے ہوئے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ: ——— "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"![2]

سوال یہ ہے کہ حقیقت یہ ہے یا وہ؟ ——— اور اگر ان دونوں کے مابین واقع ہوئی ہے تو کہاں؟ ——— اور اگر یہ دونوں ہی باتیں درست ہیں تو کیسے؟

"ایاز قدرِ خود بشناس!" کو نہ معلوم کیوں ایک تحقیر آمیز تنبیہہ ہی کے مفہوم میں لے لیا گیا ہے! کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ بحیثیتِ انسان اپنے حقیقی مرتبہ و مقام کو پہچاننے کی مشفقانہ نصیحت

---

[1] حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور قول۔

[2] حضرت اکبر الٰہ آبادی کا مشہور قطعہ ہے:

کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈارون بولا بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست!

ہو ہے یعنی بقول اقبال ؒ " اپنی خودی پہچان او غافل انسان[1] " یا بقولِ بیدل ع " اے بہارِ ہستی ازخود ہشیار باش " —— اس لیے کہ یا تو یہ مانا جائے کہ محمود اور ایاز کی روایتی محبت بس ایک قصّہ ہی ہے —— یا پھر اس دوسرے امکان ہی کو مانتے بنے گی، ؎

نہ در بازی باؤدل داد محمود دل محمود رابازی مپندار!

سب جانتے ہیں کہ 'خدا ناشناسی' تمام برائیوں کی جڑ اور جملہ گناہوں اور جرائم کی ماں ہے، لیکن بہت کم ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ اس سب سے بڑے گناہ کی نقد سزا جو اس دُنیا ہی میں انسان کو ملتی ہے کیا ہے! 'خود فراموشی' بفحوائے الفاظِ قرآنی:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ	اور ان لوگوں کے مانند نہ ہو جانا
نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ	جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔	انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا
(سورۃ الحشر: ۱۹)	یہی لوگ بدکار ہیں۔

ہندسہ میں ہر دعوٰی (THEOREM) کا ایک عکس (CONVERSE) ہوتا ہے چنانچہ اس 'دعوئ حق' کا عکس بھی کسی عکاسِ حقیقت کی زبانی یوں ادا ہوا کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ	جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس
عَرَفَ رَبَّهٗ۔	نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا۔

تو کیا واقعی عرفانِ خویش اور معرفتِ رَبّ لازم و ملزوم ہیں اور 'حقیقتِ انسان' اور ذاتِ ربّانی میں اتنا گہرا اور قریبی تعلّق ہے؟

ان مسائل کے حل کے ضمن میں اگر انسان صرف حواسِ ظاہری سے حاصل شدہ معلومات اور محض اُن ہی پر مبنی استدلال پر دار و مدار رکھے تو جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان بھی بس ایک حیوان ہے —— دوسرے حیوانات کے مقابلے

---

[1] اقبال ؒ نے تو یہ ہے ع " اپنی خودی پہچان او غافل افغان! "

ہیں ذرا ترقّی یافتہ حیوان! ـــــ البتّہ وجدان کی وادیوں میں پرواز کی جائے جیسے عظیم شعراء نے کی تو حقیقت کچھ اور نظر آتی ہے ـــــ اور مسئلے کا پُورا تشفی بخش حل تو وحیٔ آسمانی کی دستگیری کے بغیر ممکن ہی نہیں!

ایک 'واقف' و عارف بزرگ کے سامنے شکوہ کیا گیا: "حضرت! اب تو "انانیت" کا دَور دورہ ہے اور ہر شخص اس مہلک مرض میں گرفتار ہو چکا ہے!" ـــــ اس پر انہوں نے فرمایا: "بھائی! واقعہ تو یہ ہے کہ 'انانیت' کا دَور بھی گزر چکا، اب تو نِری 'نانیت' ہی 'نانیت' رہ گئی ہے!"[1]

اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دَورِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ آج کا انسان اپنے آپ کو محض ایک حیوان تصوّر کرتا ہے۔ انسانوں کی عظیم اکثریت تو اپنی عظمت سے بالکلّیہ بے خبر اور اپنی حقیقت سے قطعی طور پر لاعلم، محض اپنی مادّی ضرورتوں اور حیوانی تقاضوں کی تسکین و تکمیل کے لیے دَوڑ دھوپ میں مصروف و مشغول ہے ہی ـــــ اصحابِ دانش و بینش کی واضح اکثریت بھی کائنات کی اصل مادّی مان کر ـــــ اور مادّہ کو حقیقی قرار دے کر 'واقعیّت پسندی' (REALISM) کی جانب رُخ کیے ہوئے ہے ـــــ حتّیٰ کہ جنہیں اس سطح سے ذرا بلند ہونے کی توفیق ملی ہے وہ بھی ذہن (MIND) اور رُوح (SOUL) کی "عینیت" یا "ثنویت" کی بحث میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں!

اور آج کا انسان جس ذہنی و فکری ژولیدگی اور اخلاقی و عملی پستی کا شکار ہو چکا ہے اُس سے نجات کی واحد راہ اپنی عظمت کی 'بازیافت' اور اپنے مقام و مرتبہ سے دوبارہ کما حقہٗ آگاہی کے سوا اور کچھ نہیں! ـــــ گویا ؏ "علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی"!

---

[1] 'نانیت' ـ نان سے یعنی روٹی ـ یا بالفاظِ دیگر روٹی، کپڑا، اور مکان! ـ یہ الفاظ ہیں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ـ بروایت ڈاکٹر سید اسلم زیدی (قومی ادارہ امراضِ قلب ـ کراچی)

یعنی بقول اقبالؔ ـــــ "اپنی خودی پہچان او غافل انسان !" اور بالفاظِ بیدلؔ : ؎ "اے بہارِ ہستی از قدرِ خود ہشیار باش !"

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک 'مُرکّب' وجود کا حامل ہے ـــــ بقول سعدیؒ :

؎ "آدمی زادہ طُرفہ معجون است — از فرشتہ سرشتہ و ز حیواں !"

اس کا ایک جزو "اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡم" کا مظہرِ اتم ہے تو دوسرا "اَسۡفَلَ سَافِلِیۡن" کا مصداقِ کامل[1] !

ایک کا تعلّق 'عالمِ امر' سے ہے تو دوسرے کا 'عالمِ خلق' سے[2] !

ایک خاکی ہے تو دوسرا نوری[3] !

ایک ـــــ 'دنی الطبع' ہے اور ہمہ تن اور ہمہ وقت پستی کی جانب مائل تو دوسرا "قُدسی الاصل" اور ہمیشہ "رفعت پہ نظر" رکھنے والا[4] !

ایک حیوانات کی صف میں ہے ـــــ اور اُن میں سے بھی بہت سوں کے مقابلے میں مختلف اعتبارات سے ہیچ و کمتر اور ضعیف و ناتواں تو دوسرا ملائکہ کا ہم پلّہ ہے بلکہ مقام اور مرتبہ میں اُن سے بھی کہیں اعلیٰ و افضل ـــــ حتّٰی کہ اُن کا مسجود و مخدوم !!

ایک عبارت ہے اُس کے 'وجودِ حیوانی' سے ـــــ تو دوسرا مظہر ہے اُس 'رُوحِ ربّانی' کا جو اُس میں پھُونکی گئی اور جس کی بنیاد پر وہ مسجودِ ملائک قرار پایا۔ بفحوائے

---

[1] سورۃ التّین آیات ۴، ۵ (ترجمہ) "یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین ساخت پر پھر لوٹا دیا اُسے نیچے والوں میں سب سے نیچے۔"

[2] اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ (سورۃ الاعراف : ۵۴)

[3] خاکی و نوری نہاد۔ بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اُس کا دِل بے نیاز (اقبالؔ)

[4] ؏ "قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے۔"

الفاظِ قرآنی :

فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ	اور جب میں اسے پوری طرح
فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ	بنا لوں اور اُس میں اپنی رُوح میں
سٰجِدِيْنَ	سے پھونک دُوں تب گر پڑنا اُس
(سورۃ الحجر: ۲۹، ص: ۷۲)	کے سامنے سجدے میں -!

اب ــــــ اصحابِ دانش و بینش میں سے جن کی نظر اپنے وجود کے 'عُلوی' جزو پر جم کر رہ گئی اور وہ اُس کی عظمت و رفعت کے مشاہدے میں محو ہو کر رہ گئے اُن میں سے کوئی حیران ہو کر پکار اُٹھا" سبحانی! ما اعظم شانی!" کسی نے جذب و مستی کے عالم میں نعرہ لگا دیا" انا الحق"!! اور کوئی کیف و سرور سے سرشار ہو کر کہہ بیٹھا" لَيْسَ فِي جُبَّتِي الا الله"![1] ــــــ اور جن کی نگاہ تحقیق و تفتیش انسان کے وجودِ حیوانی ہی پر مرتکز رہی اور وہ اسی کے بارے میں بحث و تمحیص اور اسی کے متعلّق تفحّص و تعمّق میں گم ہو کر رہ گئے انہیں اس کا تعلّق لامحالہ بندروں، بن مانسوں اور گوریلوں ہی سے جوڑتے بنی!!

گویا 'حقیقتِ انسان' کے ضمن میں متذکرۂ صدر متضاد آرا جزوی طور پر اپنی اپنی جگہ صحیح بھی ہیں اور کلّی اعتبار سے غلط بھی! اور مسئلۂ زیرِ بحث کا کوئی حل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان کو دو 'متضاد' اجزا سے 'مرکّب' تسلیم کیا جائے!

واضح رہے کہ وجودِ انسانی کے یہ دونوں اجزائے ترکیبی ایک دوسرے سے بالکل آزاد اور اپنی اپنی جگہ کامل اور ہر اعتبار سے خود مکتفی ہونے کے باوصف غایت درجہ متّصل ہی نہیں باہم دگر پیوست ہیں ــــــ فہم انسانی کے عظیم ترین مغالطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رُوحِ انسانی کو 'جان' کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ 'جان' یا 'زندگی' یا

---

[1] منصور حلاج اور اکابر صوفیا کی شطحیات - یعنی وہ جملے جو جذب و مستی کے عالم یعنی حالتِ سُکر میں ان کے منہ سے نکل گئے۔ ان میں سے منصور کو اس لیے دار پر چڑھنا پڑا کہ وہ حالت صحو میں بھی اسی مؤقف پر قائم رہا!

(LIFE) تو انسان کے وجودِ حیوانی کا جزو لاینفک ہے ـــــ اور رُوحِ انسانی اپنا جُداگانہ
مستقل بالذّات وجود رکھتے ہوئے اُس وجودِ حیوانی کے ساتھ "اتّصالے بے تکیّف بے قیاس"[1]
کے رشتے میں منسلک ہے ـــــ رُوح کے وجودِ حیوانی کے ساتھ اس اتّصال کے
ضمن میں "کہاں" اور "کیسے" کے سوالات ویسے ہی لاینحل ہیں جیسے خود یہ سوال کہ جان اور جسم
کا تعلّق کس نوعیّت کا ہے اور کس عضو سے متعلّق ہے۔ اگرچہ بہت خوب کہا ہے کسی کہنے
والے نے کہ:

جاں نہاں در جسم اُو در جاں نہاں ـــ اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں!!

مزید برآں ـــــ انسان کے یہ دونوں وجود 'دانا' و 'بینا' ہیں۔ اس کی آنکھیں
صرف ظاہری یا حیوانی دیکھنا دیکھتی ہیں ـــــ اور کان صرف ظاہری یا حیوانی سننا
سنتے ہیں اور یہ دونوں حواس ظاہری اپنی حاصل کردہ معلومات (SENSE DATA) کو عقل
حیوانی یعنی دماغ (BRAIN) کے حوالے کر دیتے ہیں جو اُن سے نتائج اخذ کرتا ہے
جبکہ رُوحِ انسانی بھی نہ صرف دیکھتی اور سُنتی ہے ـــــ اور اس کا یہ دیکھنا
اور سننا ظاہری آنکھوں اور کانوں سے بالکل آزاد ہے[2] ـــــ بلکہ تعقّل اور تفقّہ بھی کرتی
ہے جس کا کوئی تعلّق عقل حیوانی یا دماغ سے نہیں ہے ـــــ رُوح کے آلۂ بصارت و
سماعت اور تعقّل و تفقّہ کا نام اصطلاحِ قرآنی میں 'قلب' ہے بفحوائے آیاتِ قرآنی:
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ـــ اُن کے دِل ہیں لیکن اُن سے

---

[1] "اتّصالے بے تکیّف بے قیاس ـــ ہست ربّ النّاس را با جانِ ناس" ـــ رومی

[2] دم چیست؟ پیام است! شنیدی نشنیدی!
در خاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی!!
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!! ـــ اقبال

بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا	سوچتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں
يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ	پر ان سے دیکھتے نہیں، اور ان کے
اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا	کان ہیں مگر ان سے سُنتے نہیں! یہ
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ	چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے
هُمْ اَضَلُّ۔ (سورۃ الاعراف: ۱۷۹)	بھی گئے گزرے!
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ	تو کیا انہوں نے زمین میں سفر
فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ	نہیں کیا۔ پھر اگر ان کے دِل
يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ	(بیدار) ہوتے تو ان سے سوچ بچار
يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ج فَاِنَّهَا	کرتے یا ان کے کان ہوتے جن
لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ	سے سُنتے، اس لیے کہ (اصل میں) آنکھیں
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي	اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو
الصُّدُوْرِ (سورۃ الحج: ۴۶)	جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں!

یہی نہیں ـــــــ بلکہ وحیِ جلی اور وحیِ خفی کے اشارات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ 'قلب' ـــــــ رُوحِ انسانی کے لیے صرف ذریعۂ سماعت وبصارت اور آلۂ تعقّل و تفقّہ ہی نہیں، اس کا مسکن بھی ہے اور اُس کی مثال قندیل کے اس شیشے کی سی ہے جس کے اندر کوئی شمع روشن ہو ـــــــ چنانچہ اگر رُوحِ انسانی کو اُس چراغ سے تشبیہہ دی جائے جس میں نورِ خداوندی جلوہ فگن ہے تو قلبِ مصفّٰی و مجلّٰی کی مثال اس صاف وشفّاف شیشے کی ہے جو رُوح کے انوار سے اس طرح جگمگا اُٹھتا ہے کہ انسان کا پُورا وجودِ حیوانی بھی انوارِ الٰہیہ سے منوّر ہوجاتا ہے ـــــــ چنانچہ یہی مفہوم ہے اس عظیم تمثیل کا جو سورۂ نور میں وارد ہوئی ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور
مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ	ہے۔اس کے نور کی مثال
فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ	(قلبِ مومن میں) یُوں ہے جیسے
فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ	ایک طاق ہو جس میں ایک دیا ہو،
کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ	وہ دیا ایک شیشے میں ہو (اور)
(سورۃ النور : ۳۵)	وہ شیشہ ایسے ہو جیسے ایک چمکتا ستارا!

(اس آیۂ مبارکہ کے ضمن میں بالکل صحیح ہے وہ رائے جو اکثر متقدّمین نے دی ہے کہ "مَثَلُ نُوْرِہٖ" کے بعد "فی قلب المؤمن" کے الفاظ مقدّر و محذوف ہیں!)

اس کے برعکس اگر شیشۂ قلب فسق و فجور کی کثرت، خواہشات کی پرستش اور شہوات کے اتّباع کے باعث داغدار اور مکدّر ہو جاتا ہے تو رُوح کے انوار کے انسان کے وجودِ حیوانی میں سرایت کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیفیّت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اُس طور سے جس کی وضاحت وحیِ خفی یعنی اس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ملتی ہے[1]:

ان المؤمن اذا اذنب کانت	مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو
نکتۃ سوداء فی قلبہٖ	اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ
فان تاب واستغفر	جاتا ہے۔پھر اگر توبہ و استغفار کرتا ہے
صُقل قلبہٗ وان	تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اور
زاد زادت حتی تعلو	گناہ کرتا ہے تو (دل کی) سیاہی بھی بڑھتی
قلبہٗ فذالکم الران	چلی جاتی ہے یہاں تک کہ پورے

[1] رواہ احمدؒ والترمذیؒ وابن ماجہؒ عن ابی ہریرۃؓ وقال الترمذی: ہٰذا حدیث حسن صحیح

الّذی ذکر اللّٰہ تعالیٰ	دل پر چھا جاتی ہے چنانچہ یہی ہے
"کلّا بل ران علیٰ قلوبھم	وہ دلوں کا زنگ جس کا ذکر اللہ
مّا کانُوا یکسبون"	نے اس آیۂ مبارکہ میں فرمایا ہے۔

(سورۃ المطففین : ۱۴) "نہیں بلکہ زنگ لگ گیا ہے اُن کے دلوں پر ان کے اعمال کے سبب سے!"

اور اس عمل (PHENOMENON) کی یہی وہ منطقی انتہا ہے جسے وحیٔ جلی میں ختمِ قلوب اور طبعِ قلوب سے تعبیر فرمایا گیا —— بفحوائے الفاظِ قرآنی :

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى	اللہ نے مُہر کر دی ہے ان کے
سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ	دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور
غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ	ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان
عَظِیْمٌ (سورۃ البقرہ : ۷)	کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى	یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں ،
قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِ	کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا
هِمْ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔	دی ہے اور وہی ہیں (حقائق و
(سورۃ النحل : ۱۰۸)	معارف سے) غافل و بے خبر۔!

اور یہی وہ کیفیّت ہے جسے قرآن انسان کی 'رُوحانی موت' سے تعبیر فرماتا ہے اس لیے کہ اس حال میں انسان کے وجودِ حیوانی کا اُس رُوحِ ربّانی سے تعلّق بالکل منقطع ہو جاتا ہے جس نے اُسے شرفِ انسانیت عطا فرمایا تھا۔ اور اُس کا نہاں خانۂ قلب رُوح کی قبر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نتیجتہً انسان کی صورت میں ایک دو ٹانگوں پر چلنے والا حیوان باقی رہ جاتا ہے جو 'حقیقتِ انسان' کے اعتبار سے ایک چلتے پھرتے مقبرے اور متحرک 'تعزیے' کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

چنانچہ ایسے ہی حقیقت کے اعتبار سے مُردہ اور ظاہری اعتبار سے زندہ انسانوں کا ذکر ہے ان آیاتِ قرآنیہ میں :

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔	(اے نبیؐ) آپؐ نہیں سنا سکتے ان
(سورۃ النمل : ۸۰)	مُردوں کو !
فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی	تو (اے نبیؐ) آپؐ نہ ان مُردوں
وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ۔	کو سنا سکتے ہیں اور نہ ان بہروں تک
(سورۃ الروم : ۵۲)	اپنی دعوت پہنچا سکتے ہیں۔!

جنہیں بعض لوگ خواہ مخواہ گھسیٹ لے جاتے ہیں 'سماعِ موتیٰ' کے ایک اختلافی مسئلے پر بحث مباحثے میں !

الغرض! جب تک کوئی شخص انسانی شخصیّت کے ان دو متضاد اجزائے ترکیبی کو نہ جان لے وہ دین و مذہب کے لطیف تر حقائق اور وحیٔ آسمانی میں واردشدہ معارف و حِکَم کا کماحقّہٗ ادراک نہ کرسکے گا۔ اور بایں محرومی و تہی دستی اگر مقامِ دعوت پر فائز ہو جائے گا تو اس کی تمام تر گفتگو احکامِ شریعت اور نظامِ اسلام کے بارے میں ہوگی حقائقِ ایمانی کا تذکرہ ہوگا بھی تو بس سرسری سا ـــــــ اور اگر شارح و مفسّرِ قرآن بن بیٹھے گا تو لغت و نحو کے اشکالات معنی و بیان کے لطائف اور فصاحت و بلاغت کے نوادرات سے تو خوب بحث کرے گا لیکن فلسفہ و حکمتِ دین کے لطیف و غامض نکات اُس کی نگاہ سے اوجھل رہ جائیں گے اور حقائق و معارفِ ایمانی کے اعتبار سے اہم ترین مقامات سے وہ ایسے گزر جائے گا جیسے وہاں کوئی لائق توجہ بات ہے ہی نہیں !

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار !!

عظمتِ صوم

حدیثِ قدسی فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

روزہ کے بارے میں حدیثِ قدسی کے مندرجہ بالا الفاظ متفق علیہ ہیں، یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں:

۱۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ ....."

۲۔ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حسبِ ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں:

"يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ ....."

۳۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ: الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى "إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي ....."

(بحوالہ 'ریاض الصالحین' للامام النووی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصوم لی

جُملہ عباداتِ اسلامی ـــــــ صلوٰۃ وزکوٰۃ اورصوم وحج ـــــــ میں سے عبادتِ صوم کو یہ خصوصیّت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں متعدّد روایات کی رُو سے جن میں بخاری اور مُسلم کی متّفق علیہ روایت بھی شامل ہے، ایک حدیثِ قدسی میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ :

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا

جنہیں بعض لوگوں نے اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ یُوں بھی پڑھا ہے کہ :

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور مَیں خود ہی اس کی جزا ہوں!

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز خدا کے لیے نہیں ؟ اسی طرح کیا زکوٰۃ اور حج اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہیں ؟ ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا جواب صرف نفی ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کے واضح ارشادات ہیں :

۱۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ : ۱۴)	اور قائم کر نماز میری یاد کے لیے!
۲۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ (البقرۃ : ۲۳۸)	محافظت کرو نمازوں کی۔ اور خاص طور پر نماز وسطیٰ کی اور کھڑے رہو اللہ کے لیے پوری فرمانبرداری کے ساتھ!
۳۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ	اور لوگوں کے ذمے ہے اللہ کے لیے

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران: ۹۷)	حجِ بیت اللہ۔ جو کوئی بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی
۴- وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرۃ: ۱۹۶)	اور پورا کرو حج اور عمرے کو اللہ کے لیے۔
۵- اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ (الدھر: ۹)	ہم کھانا کھلاتے ہیں تمہیں صرف اللہ کی رضاجوئی کے لیے، اور تم سے طالب ہیں نہ کسی جزا کے نہ شکریے کے!

اس اشکال کا ایک سطحی سا حل بعض حضرات نے اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ روزے میں ریا ممکن نہیں ہے جب کہ بقیہ تمام عبادتوں میں ریاء کا امکان ہے، اس لیے کہ روزے کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے جو لوگوں کو نظر آسکے بلکہ وہ ایک راز ہے عبد اور معبود کے مابین۔ ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ نماز میں ریا یہی تو ہے کہ پڑھے تو انسان نماز ہی لیکن خالصتًہ لوجہ اللہ نہ پڑھے بلکہ اس میں لوگوں کو دکھانے کی نیّت شامل ہو جائے بعینہٖ یہی معاملہ روزے کے ساتھ بھی ممکن ہے ——— رہی دوسری انتہائی صورت کہ انسان روزے سے نہ ہو اور لوگوں سے کہے کہ میں روزہ سے ہوں تو یہ ریا نہیں دھوکا اور فریب ہے اور اس کے مقابل کی صورت نماز کے معاملے میں یہ ہوگی کہ کوئی ظاہراً تو نماز کے لیے دست بستہ کھڑا ہو جائے لیکن بجائے سورۃ فاتحہ کے کوئی عشقیہ اشعار شروع کر دے۔ یا نعوذ باللہ من ذالک، خدا اور رسولؐ کو گالیاں دینا شروع کر دے! ——— پھر ایک نصِ قطعی کے طور پر موجود ہے وہ حدیث بھی جس کی رُو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ	جس نے نماز پڑھی دکھاوے کے لیے وہ شرک
وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ	کر چکا، اور جس نے روزہ رکھا دکھاوے کے لیے

وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ (رواہ احمد، مشکوٰۃ باب الریاء والسمعۃ) — وہ شرک کر چکا اور جس نے خیرات دی دکھاوے کی غرض سے وہ بھی شرک میں ملوّث ہو چکا!

اِس حدیثِ قدسی کا یہی وہ اشکال ہے جس کے باعث یہ عام واعظین کے مواعظ میں تو بیان ہو جاتی ہے لیکن اسلام کے جدید مُنکرین کی تحریر و تقریر میں بار نہیں پاتی۔ اِس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ دین کے بہت سے دوسرے لطیف تر حقائق جیسے عہدِ اَلست، وَحی، الہام، کشف اور رُویائے صادقہ وغیرہ کی طرح اس حدیثِ قدسی کی حقیقت بھی ان لوگوں پر منکشف نہیں ہو سکتی جو دورِ حاضر کے مادّہ پرستانہ اور عقلیت پسندانہ رُجحانات کے زیرِ اثر رُوحِ انسانی کے جسدِ خاکی سے علیحدہ مستقل وجود اور جُداگانہ تشخص اور اُس کے ذاتِ باری کے ساتھ خصوصی ربط و تعلّق کے یا تو سرے سے قائل ہی نہیں ہیں یا کسی درجے میں ہیں بھی تو اُس کے اعتراف و اعلان میں جھجک اور حجاب محسوس کرتے ہیں! ـــ بقول اکبر الٰہ آبادی:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اِس لیے کہ اِس حدیثِ قدسی کی واحد ممکن توجیہہ یہ ہے کہ روزہ رُوح کے تغذیہ و تقویت کا ذریعہ ہے جسے ایک تعلّقِ خاص اور نسبتِ خصوصی حاصل ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ لہٰذا یہ گویا خاص اللہ کے لیے ہے جس کی جزا وہ بطورِ خاص دے گا۔ یا یوں کہہ لیں کہ چونکہ اُس کا حاصل ہے تقرّب الی اللہ تو گویا اللہ خود ہی بنفسِ نفیس اُس کی جزا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ 'ارواحِ انسانی' کا ایجاد و ابداع 'اجساد' کی تخلیق سے بہت پہلے "جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ" (مسلم عن ابی ہریرہؓ) کی صورت میں ہوا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عالمِ اجساد میں تخلیق سے بہت قبل خود اُن کی اور اُن سے لے کر تاقیامِ قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی اَرواح مستقل جُداگانہ تشخّص اور پُورے شعورِ ذات اور فیمابین جُملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔

اِس حقیقت کے اِدراک وشعور کے بغیر، واقعہ یہ ہے کہ عہدِ الست کا وہ اہم واقعہ جسے قرآنِ مجید نے بڑے اہتمام اور شدّ ومدّ کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے مُحاسبۂ اُخروی کے ضمن میں ایک اَہم حجّت قرار دیا ہے یا تو محض تمثیل و استعارہ قرار پاتا ہے یا پھر اس کے بارے میں اچھے اچھے مُصنفّین کے قلم سے بھی نادانستہ انتہائی لغو اور مُہمل جملے نکل جاتے ہیں[1] سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عہد اجسادِ انسانی کی تخلیق سے قبل عالمِ ارواح میں اَرواحِ انسانی نے پُورے ہوش اور شعور کے ساتھ کیا اور میدانِ حشر میں جب تمام نسلِ انسانی دوبارہ[2] "جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃ" کی صورت میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہوگی تو یہی عہدِ الست اُن کے خلاف حُجّتِ اُولیٰ کے طور پر پیش ہوگا! "مبادا تم کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یُوں کہنے لگو کہ اصل میں تو شرک کا ارتکاب کیا تھا ہم سے بہت پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے اور ہم تو بعد میں اُن کی نسل میں پیدا ہوئے تھے!" سورۂ اعراف آیات ۱۷۲، ۱۷۳)

اسی طرح اس حقیقت کو جاننے اور ماننے بغیر کوئی توجیہ ممکن نہیں اِن متعدد احادیث کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ صرف یہ کہ خلق کے اعتبار سے سب پر مُقدّم ہیں بلکہ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ ابھی جسدِ آدمؑ تخلیق وتسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا ـــــ اِس سلسلے میں اِس روایت سے قطع نظر جس میں "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ"

---

[1] مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: "یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالمِ غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے۔" (تدبرِ قرآن جلد سوم صفحہ ۳۹۴)

[2] وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا۔ (الکہف: ۴۸)

اور وہ پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے صف در صف (تب وہ فرمائے گا کہ) آپہنچے ہو تم ہمارے پاس بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی بار۔ لیکن تم تو اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے لیے اس ملاقاتِ مَوعُودہ کے لیے کوئی وقت نہ متعین کریں گے!

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لیے کہ وہ محدّثینِ کرام کے نزدیک مستند نہیں ہے، آخر اس حدیث کی کیا توجیہہ ممکن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اَبِی هریرۃؓ قَالَ ،" قَالُوا یَارَسُوْلَ اللهِ ! مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ ؟ قَالَ :" وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ !" (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسنٌ)	ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسُول اللہ آپؐ کو نبوّت کب ملی ؟ فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی)، ترمذی بحوالہ ترجمان السنۃ اوّل

ظاہر ہے کہ اس کی ایک ہی توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجسادِ انسانی کی تخلیق سے بہت قبل ارواحِ انسانی خلعتِ وجود سے مُشرّف ہو چکی تھیں اور اُن کے مابین مراتب و مناصب کے جُملہ امتیازات بھی موجود تھے۔!

بعد ازاں جیسے ہی آدم کے جسدِ خاکی کا ہیُولی تخلیق و تسویہ کے طویل مراحل طے کر کے اس قابل ہوا کہ رُوحِ آدم اس سے ملحق کی جا سکے تو نفخ روح ہوا اور رُوح و جسد کا یہ مجموعہ مسجودِ ملائک قرار پایا! بفحوائے آیاتِ قرآنی:

۱۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ (الحجر: ۲۸-۲۹)	اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رَبّ نے فرشتوں سے: میں پیدا کرنے والا ہوں اس سنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہے ایک بشر، تو جب میں اسے پوری طرح مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اُس کے لیے سجدے میں۔
۲۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا	اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے: مَیں بنانے والا ہوں مٹی سے ایک

سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ	بشر۔ تو جب میں اسے پوری طرح بنا کر درست
رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ	کر دوں، اور پھونک دوں اس میں اپنی روح
(صٓ: ۷۱، ۷۲)	میں سے تو گر پڑنا اُس کے لیے سجدے میں۔

اور پھر پوری نوعِ انسانی کو صُلبِ آدم سے متعلّق کر دیا گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے ارحامِ اُمّہات میں افرادِ نوعِ انسانی کے اجساد تیار ہوتے رہے ایک خاص مرحلے پر جُنودِ ارواح میں سے ایک ایک رُوح اُن کے ساتھ متعلّق کی جاتی رہی۔ جس کو تعبیر کیا سورۂ مومنون میں "خَلْقًا اٰخَرَ" کے الفاظِ مبارکہ سے اور جس کی خبر دی مزید وضاحت کے ساتھ صادق و مصدوق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے۔ از رُوئے آیات و حدیث مندرجہ ذیل:

۱۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ	اور اس نے انسان کی تخلیق کا آغاز
طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ	کیا مٹّی سے، پھر چلائی اس کی نسل نچڑے
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ	ہوتے بے قدر پانی سے۔ پھر اس کو درست
سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ	کیا پوری طرح اور پھونکا اس میں اپنی رُوح
(السجدہ: ۷-۹)	میں سے۔!
۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ	اور ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹّی کے
سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ	خلاصے سے۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو ایک
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا	بوند جمے ہوتے ٹھکانے میں، پھر بنایا اُس
النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا	بوند سے ایک علقہ اور پھر بنایا اس علقہ
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا	سے ایک لوتھڑا، پھر بنائیں اُس لوتھڑے
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا	سے ہڈیاں، پھر پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔
الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ	اور پھر اٹھایا اسے ایک اور ہی اٹھان
خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ	پر۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب سے

الخالقین۔ (المؤمنون: ۱۲-۱۴)

اچھی تخلیق فرمانے والا۔!

۲۔ عن ابی عبد الرحمٰن بن مسعود رضی اللہ عنہ قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھُوَ الصادق والمصدوق: "اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نُطْفَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ اِلَیْہِ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ۔ (رواہُ البخاری والمسلم)

ابو عبد الرحمٰن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے ہیں اور ان کی سچائی مُسَلَّم ہے کہ: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق رحمِ مادر میں چالیس دن تو نطفے کی صورت میں ہوتی ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی صورت میں، پھر اتنے ہی دن مضغہ کی صورت میں، پھر اس کے بعد ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے (اس حدیث کو روایت کیا امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے)

واضح رہے کہ یہاں روح سے مراد زندگی لینا بہت بڑا مغالطہ ہے اس لیے کہ بے جان تو نہ وہ 'بَیْضَۃُ الْاُنْثٰی' ہی ہوتا ہے جو طویل مسافت طے کر کے رحم میں پہنچا ہے اور نہ 'نُطْفَۃُ الرَّجُلْ' جو نہایت جوش و خروش سے حرکت کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ رہے علقہ اور مضغہ تو اُن میں تو نشو و نما کا خالص حیاتیاتی عمل انتہائی زور شور سے جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بے جان مادے میں زندگی پھونکنے کا کوئی سوال نہیں بلکہ جسدِ انسانی کے ساتھ جو تخلیق و تسویہ کے مراحل طے کر رہا ہے روحِ انسانی کے الحاق کا معاملہ ہے، فافھم و تدبّر!

اب آیئے اصل موضوع کی طرف!

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکّب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے: ایک[1] اس کا وجودِ حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد و حیات دونوں کا اور دوسرے[2] روحِ انسانی جس کے شرف و مجد کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت دی! (وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ!) ایک[1] کا تعلق ہے عالمِ خلق سے جس میں تخلیق و تسویہ کا عمل لازماً تدریج و ارتقاء کے مراحل سے ہو کر گزرتا ہے جبکہ دوسرے[2] کا تعلق ہے عالمِ امر سے جہاں ابداع اور ایجاد و تکوین کا ظہور کن فیکونی شان کے ساتھ ہوتا ہے بفحوائے الفاظِ قرآنی:

۱- وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (بنی اسرائیل: ۸۵)	اور وہ پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں۔ کہو رُوح میرے ربّ کے امر سے ہے!
۲- وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر: ۵۰)	اور نہیں ہے ہمارا امر مگر بس ایسے جیسے ایک لپک نگاہ کی۔!
۳- اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰسٓ: ۸۲)	اور اس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ وہ بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور ہو جاتا ہے!

مزید برآں ——— ایک کا رُجحان ہے عالمِ سفلی کی طرف جبکہ دوسرے کی پرواز ہے عالمِ علوی کی جانب بلکہ ایک بالقوہ "اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ[2]" کے حکم میں ہے تو دوسرے کا اصل مقام اعلیٰ "علیّین[3]" میں ہے، ایک خاکی الاصل ہے اور "كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى

---

[1] اکثر لوگ روح کو حیات یا زندگی کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں حالانکہ زندگی تو جمیع حیوانات ہی نہیں نباتات تک میں ہے۔ وہ روحِ ربّانی جس سے انسان جملہ حیوانات سے ممیز ہوتا ہے بالکل دوسری چیز ہے!

[2] سورۃ والتین [3] سورۂ مطففین۔

اَصْلِہٖ" کے مصداق " وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ[2]" کی مکمل تصویر، جبکہ دوسرا نوری الاصل اور
ع: " اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حُسن!" کے مصداق ہمیشہ عالمِ بالا کی جانب مائل و متوجّہ۔
ایک خالصتہً حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم رُتبہ ہی نہیں بالقوّہ اُن سے
بھی آگے! بقول شیخ سعدیؒ ؎

آدمی زادہ طُرفہ معجون است   از فرشتہ سرشتہ وز حیواں

گویا دونوں باہم متضاد و متصادم ہیں۔ چنانچہ ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے! چنانچہ بطن و فرج کے تقاضوں کی بھرپور تسکین اور کثرتِ آرام و استراحت سے رُوح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے، حتّٰی کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسدِ خاکی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا الغرض ہر اعتبار سے زندہ ہی نہیں خُوب فربہ و توانا نظر آتا ہے درانحالیکہ اس کی رُوح، کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سِسک سِسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسدِ انسانی اس رُوح کے لیے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتا ہے بقول علامہ اقبال ؎ ع " روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد!"

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی:

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا	یقیناً (اے نبی) تم نہیں سنا سکتے (اپنی
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ	بات) مُردوں کو اور نہ سُنا سکتے ہو

---

[1] ایک مقولہ: ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے! [2] سورہ اعراف: ۱۷۶

[3] قرآنِ حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر منافقین کے 'تن و توش' کی جانب خصوصی اشارے کیے ہیں مثلاً

سورۃ منافقون میں فرمایا:

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ	اور (اے نبی) جب تم انہیں (منافقین کو) دیکھتے ہو تو
وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ	اُن کے تن و توش سے متاثر ہو جاتے ہو۔ چنانچہ جب
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ	وہ بات کرتے ہیں تو اُن کی گفتگو کو بغور سنتے ہو حالانکہ
(سورہ منافقون: ۴)	درحقیقت وہ سوکھی لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں سہارے سے رکھ دیا گیا ہو۔

(النّمل : ۸۰ ، الرّوم : ۵۲) (اپنا پیغام بہروں کو)

افسوس کہ دورِ حاضر میں مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر کے تسلط کے باعث رُوح اور جسد کے جُداگانہ تشخّص اور اُن کے تقاضوں کے باہم متضاد و متصادم ہونے کا شعور و ادراک عوام تو کجا خواص تک کو حاصل نہیں رہا۔ حتیٰ کہ بہت سے جدید 'منکّرینِ اسلام' تو اس حقیقتِ کبریٰ کا ذکر بھی بطرزِ استہزاء و استحقار کرتے ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے مفکرِ اسلام[۱] "اسلام کا روحانی نظام" کے عنوان سے ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں :

"فلسفہ و مذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیّل کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کا عالم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم مخالف ہیں۔۔۔۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔۔۔۔"

اِس ضمن میں انہوں نے 'دنیا پرستی' اور 'ترکِ دُنیا' کی دو انتہائی صورتوں کی جو تردید کی ہے وہ اصولاً بالکل دُرست ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اُن کی توجہ اِس حقیقت کی جانب کیوں مُنعطف نہ ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ان دونوں انتہاؤں کی موجودگی بجائے خود اِس کا ثبوت ہے کہ انسانی شخصیت میں دو بالکل متضاد اور مخالف قوّتیں کارفرما ہیں۔ جن کے مابین مسلسل رسّہ کشی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی ایک پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کبھی دوسری کا۔ بقول علاّمہ اقبالؒ ؎

اِسی کشمکش میں گزُریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رُومیؒ کبھی پیچ و تابِ رازیؒ

اسلام بلاشبہ ان کے مابین توازن پیدا کرنا چاہتا ہے اور عدمِ توازن[۲] کو ہرگز

---

[۱] مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم [۲] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

پسند نہیں کرتا لیکن توازن کا یہ تصور بجائے خود دلیلِ قاطع ہے جسد اور روح کے تضاد اور ان کے تقاضوں کے باہم متقابل و متبائن ہونے کی۔ بقول شاعر ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای !
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش !

واقعہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی اس بنیادی غلطی نے تصورِ دین کی پوری عمارت ہی کو کج کر ڈالا ہے۔ چنانچہ جب 'روح' صرف زندگی کے ہم معنیٰ ہو کر رہ گئی تو 'دین' بھی بس ایک 'نظامِ حیات' بن کر رہ گیا اور مذہب کا ایک ایسا لا مذہبی (SECULAR) ایڈیشن تیار ہو گیا جس میں مذہب کے لطیف حقائق سرے سے خارج از بحث ہو گئے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ! تا ثریا می رود دیوار کج !!

ایک حقیقت کی جانب مزید توجہ فرما لیجئے !

جسدِ انسانی یا انسان کا وجودِ حیوانی خاکی الاصل ہے چنانچہ اس کی جملہ ضرورتیں اور اس کے تغذیہ و تقویت کا تمام سامان بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ رُوحِ انسانی قدسی الاصل اور "امرِ ربّ" ہے لہٰذا اس کے تغذیہ و تقویت کی ضرورت بھی تمام تر کلامِ ربّانی ہی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اگرچہ عدمِ توازن کی تمام صورتیں برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت فرق ہے اس عدمِ توازن میں جو دنیا پرستی یا شکم پروری و شہوت پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عدمِ توازن میں جو ترکِ دنیا یا رہبانیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ سابقہ اُمتوں میں عدمِ توازن کی پہلی صورت کی مثال یہود ہیں جنہیں "مَغضُوبِ عَلَیہِم" قرار دیا گیا ہے اور دوسری صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنہیں صرف "ضَالّین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تقابل کے لیے دیکھیے سورۃ حدید جس کے وسط میں یہود کا ذکر ہے جن کی دنیا پرستی نتیجۃً قساوتِ قلبی کا اور آخر میں مُتبعین عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جن کی رہبانیت کو اگرچہ بدعت قرار دیا گیا لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ تھی یہ نیکی کے جذبے ہی کی ایک غیر معتدل صورت !

سے پوری ہو سکتی ہے جسے قرآنِ حکیم نے روح[1] ہی سے تعبیر کیا ہے از روئے آیاتِ مبارکہ:

۱۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ (الشوریٰ : ۵۲)	اور اسی طرح (اے نبی) ہم نے وحی کی تمہیں ایک رُوح اپنے امر سے (اس سے پہلے تم کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا) لیکن (اب) بنا دیا ہے اسے ایک نُور جس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں ہم اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں!
۲۔ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن : ۱۵)	اِلقاء فرماتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!
۳۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ (النحل : ۲)	نازل فرماتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قرأت و استماعِ قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ

---

[1] یہاں اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو جائے کہ وحی کے لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں "رُوحُ القُدس" سے موسوم فرمایا ہے اور کہیں "الرُّوحُ الامین" سے اور مہبطِ وحی بھی قرار دیا ہے قلب کو جو در اصل بمنزلۂ شاہ درہ ہے شہرِ رُوح کے لیے۔ تو حقیقتِ وحی کے ضمن میں بھی ایک کلید مل جاتی ہے اگرچہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے! گویا وحی خود بھی روح، اس کے لانے والا بھی روح اور اس کا مہبط بھی روح۔ جگر کا ایک شعر اس نغمۂ وحی کی ماہیّت کو خوب واضح کرتا ہے ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو ۔۔۔ رُوح سُنے اور روح سُنائے!

علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام دونوں نے اشارۃً اور کنایۃً واضح فرما دیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزوِ لاینفک! چنانچہ قرآن نے وضاحت فرمادی کہ روزوں کے لیے ماہِ رمضان معیّن ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی نزولِ قرآن کا سالانہ جشن!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ۔(البقرۃ: ۱۸۵)	رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں؛ چنانچہ:۔

۱۔ امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبۂ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا 'شعب الایمان' میں نقل کیا ہے' اُس کے الفاظ ہیں:

جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً وَقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا۔	اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا فرض اور اُس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام اللیل اگرچہ "تَطَوُّعًا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے 'مجعول' بہر حال ہے!

۲۔ بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ ط	جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ۔ اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اُس کے جملہ سابقہ گناہ۔

۳۔ امام بیہقیؒ نے 'شعب الایمان' میں حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے روایت

کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ	روزہ اور قرآن بندۂ مومن کے حق
لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ	میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا
اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ	اے رب! میں نے اسے روکے رکھا
وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ	دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس
فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ	کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن
اَلْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ	کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو
بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ	نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش
فَیُشَفَّعَانِ۔ ط	قبول فرما۔ تو دونوں کی سفارش قبول کی جائیگی

اور اب غور فرمائیے صوم رمضان کی حکمتوں پر !

حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام و قیامِ رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جا سکتا ہے کہ :— ایک طرف روزہ انسان کے جسدِ حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ رُوحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی رُوح کو سانس لینے کا موقع ملے — اور دوسری طرف قیامُ اللیل میں کلامِ ربّانی کا رُوح پرور نزول[1] اُس کے تغذیہ و تقویّت کا سبب بنے — تاکہ ایک جانب اُس پر کلامِ الٰہی کی عظمت کما حقّہٗ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اُس کی بُھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اُس کے دُکھ کا علاج اور درد کا درماں

---

[1] تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف ! (اقبالؔ)

ہے! ـــــ اور دوسری جانب رُوحِ انسانی ازسرِنو قوی اور توانا ہو کر" اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز" ہو گویا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدّت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغولِ دعا و مناجات ہو جو اصل رُوح ہے عبادت[1] کی اور لُبِّ لُباب ہے رُشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات[2] میں:

اولاً ـــــ مجرّد صوم کی مشروعیّت اور اُس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اُس کی غرض و غایت بیان ہوئی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کے الفاظ میں اور

ثانیاً ـــــ صومِ رمضان کی فرضیّت اور اُس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اُس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر:

ایک ـــــ " وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اُس پر اللہ کی جناب میں ہدیۂ تکبیر و تشکّر پیش کرنے سے ـــــ اور

دوسرے ـــــ " وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ . . . لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ " کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجّہ اِلَی اللہ و متلاشیِ قربِ الٰہی اور مشغولِ دُعا اور محوِ مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادتِ رَبّ کا!

الغرض! صیام و قیامِ رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ رُوحِ انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پاکر گویا حیاتِ تازہ حاصل کرے اور پوری شدّت و قوّت اور کمالِ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رَبّ کی جانب متوجہ ہو جائے!

---

[1] احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام: " اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ " اور " اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ "

[2] سورۂ بقرہ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۷

اب ذرا ایک بار پھر سوچیے کہ یہ 'روحِ انسانی' درحقیقت ہے کیا ؟ جیسے کہ پہلے واضح ہو چکا ہے، یہ " اَمرِ رَبِّی " بھی ہے اور جلوۂ ربّانی بھی۔ اِس کا تعلق ذاتِ خداوندی کے ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی ایک کرن کا سورج کے ساتھ کہ لاکھوں اور کروڑوں میل دُور آجانے کے باوجود اپنے منبع سے منقطع اور اپنے جُداگانہ وجود کے باوصف اپنی اصل سے منفصل نہیں ہے ——— بعینہٖ یہی کیفیت ہے رُوحِ انسانی کی کہ اپنے علیٰحدہ تشخّص کے باوجود خدا سے منفصل نہیں بلکہ متّصل ہے بقولِ عارفِ رُومی ؒ ؎

اتّصالے بے تکیّف بے قیاس

ہست رَبُّ النّاس را با جانِ ناس !

گویا قلبِ انسانی کی مکین روحِ ربّانی براہِ راست متّصل ہے ذاتِ رَبّ کے ساتھ اور یہی ہے وہ عظیم امانت جس کے بارِ گراں کے نہ سماوات متحمّل ہو سکے نہ ارض و جبال لیکن جو حصّے میں آئی ظلوم و جہول انسان[ا] کے :؎

آسماں بارِ امانت نتواں گشت کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند !

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قدسی کی رُو سے قلبِ مومن کی مکین خود ذاتِ الٰہی ہے :

مَاوَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِیْ	میں نہ زمین میں سما سکا نہ آسمان میں ،
وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤمِنِ	البتہ اپنے مومن بندے کے دل
ج ۳ ص ۱۴ (احیاء علوم الدین ، امام غزالی ؒ)	میں میری سمائی ہو گئی۔!

؎ من نگنجم در زمین و آسماں   لیک گنجم در دلِ مومن عیاں ! (سعدیؒ)

تو کیا بالکل درست نہیں یہ قولِ مبارک کہ " اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ " ——— بلکہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ " ——— اِس لیے جب کہ دوسری بدنی اور مالی عبادتوں

[ا] سورۃ احزاب آیت : ۷۲

کا حاصل ہے تزکیہ و تطہیرِ نفس وہاں صومِ رمضان کا حاصل ہے تغذیہ و تقویتِ رُوح جو متعلّق ہے براہِ راست ذاتِ خداوندی کے ساتھ ـــــــ لہٰذا روزہ ہوا خاص اللہ کے لیے اب چاہے یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی اس کی جزا دے گا یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود تعالیٰ ہی بہ نفس نفیس اس کا انعام ہے، کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس لیے کہ خدا تو منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی کوئی بندہ خلوص و اخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجّہ ہو وہ بھی کمالِ شفقت و عنایت کے ساتھ اس کی طرف متوجّہ ہو جائے ـــــــ یہاں تک کہ ایک حدیثِ قدسی کی رُو سے اگر بندہ اُس کی جانب چل کر آتا ہے تو وہ تعالیٰ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے اور اگر بندہ اُس کی طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو وہ تعالیٰ بندے کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے ـــــــ گویا بقول علّامہ اقبالؔ مرحوم ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں!

ڈاکٹر اسرار احمد
نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور ـــــ خطبۂ نکاح ـــ کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا
اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر در ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔
بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور ؛
ہدیہ : ۴ روپے ـــــــ محصول ڈاک علاوہ

سالانہ رپورٹ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

جو انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۸۸ء میں پیش کی گئی

مرتب: ملک محمّد بشیر۔ معتمد انجمن

XXX

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صدر مؤسّس مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور، جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
اور معزز اراکینِ انجمن!

میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے اس سولھویں اجلاس عام کے موقع پر انجمن کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۸۷ء پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

معزز حضرات! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انجمن کے مؤسّس ہی نہیں تاحینِ حیات صدر بھی ہیں (ان شاء اللہ العزیز) ——— لہٰذا انجمن کا جملہ نظام اصلاً تو ان ہی کی صوابدید اور ہدایات کے مطابق چل رہا ہے البتہ ان کی معاونت اور مشاورت کے لیے انجمن کے قواعد و ضوابط کی رُو سے ایک چودہ رکنی مجلسِ منتظمہ بھی انجمن کی ہیئتِ انتظامیہ کا حصّہ ہے جس کے ۱۲ اراکین کا انتخاب ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے ذریعے سالانہ اجلاسِ عام کے موقع پر ہوتا ہے اور دو حضرات کو جناب صدر مؤسس نامزد کرتے ہیں۔ موجودہ مجلسِ منتظمہ مارچ ۱۹۸۶ء میں وجود میں آئی تھی جس کے اراکین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حلقۂ مؤسّسین اور محسنین

۱۔ جناب افتخار احمد ملک صاحب
۲۔ جناب اقتدار احمد صاحب
۳۔ جناب قمر سعید قریشی صاحب
۴۔ جناب محمد بشیر ملک صاحب
۵۔ جناب شیخ محمد عقیل صاحب
۶۔ جناب میاں محمد رشید صاحب

حلقۂ مستقل ارکان

۱۔ جناب احسن الدین صاحب ۲۔ جناب ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ

۳ حلقۂ عام ارکان

۱۔ جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب ۲۔ جناب الطاف حسین صاحب

۳۔ جناب پروفیسر اختر الحسن بھٹی ۴۔ جناب رحمت اللہ بُتّر صاحب

۴۔ نامزد ارکان

۱۔ جناب شاہد احمد عبداللہ صاحب ۲۔ جناب لطف الرحمٰن صاحب

مجلس منتظمہ کے انتخاب کے بعد صدرِ مؤسس منتخب اراکین میں سے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لیے اعزازی ناظمین نامزد کرتے ہیں۔ سال ۱۹۸۶ء کے انتخاب کے فوراً بعد جو حضرات نامزد کیے گئے اُن کے اسمائے گرامی اور شعبہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔	ناظم اعلیٰ	جناب قمر سعید قریشی صاحب
۲۔	معتمد	جناب لطف الرحمٰن صاحب
۳۔	ناظم بیت المال	جناب شیخ محمد عقیل صاحب
۴۔	ناظم مکتبہ و نشر و اشاعت	جناب اقتدار احمد صاحب
۵۔	محاسب	جناب احسن الدین صاحب

دورانِ سال بعض وجوہات کے پیشِ نظر اعزازی ناظمین بدلتے بھی رہے لیکن کوئی شعبہ بھی بغیر نگرانی کے نہیں رہا۔

قواعد و ضوابط کے مطابق مجلسِ منتظمہ کے ماہانہ اجلاس باقاعدگی کے ساتھ ہوتے رہے۔ اور ضرورت پڑنے پر زائد اجلاس بھی بلائے گئے۔ چنانچہ عرصہ زیرِ رپورٹ میں بارہ ماہانہ اجلاس کے علاوہ غالباً ایک بار فوری نوعیت کے کام کے پیشِ نظر زحمت دی گئی

حضرات! قواعد و ضوابط کی رُو سے سال میں ایک بار ماہ مارچ یا اپریل میں جملہ وابستگانِ انجمن کا ایک اجلاسِ عام منعقد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کا یہ اجلاس انجمن کا سولہواں اجلاس عام ہے۔

سال ۱۹۸۶ء کے اختتام پر وابستگانِ انجمن کے مختلف حلقوں کے اراکین کی تعداد حسبِ ذیل تھی۔

۱۔ حلقۂ مؤسسین	۱۸	۳۔ حلقۂ مستقل ارکان	۸۴
۲۔ حلقۂ محسنین	۱۶۲	۴۔ حلقۂ عام ارکان	۴۴۳

عرصہ زیرِ رپورٹ کے دوران محسنین، مستقل ارکان اور عام ارکان کی تعداد میں علی الترتیب ۱۷، ۸ اور ۳۳ کا اضافہ ہوا۔ البتہ حلقۂ مؤسسین کی تعداد میں ایک بزرگ رکن جناب شیخ منظور الحق صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے) کے انتقال کے باعث ایک رکن کی کمی واقع ہوئی۔ چنانچہ عرصہ زیرِ رپورٹ کے اختتام پر مختلف حلقہ جات کے وابستگان کی تعداد مندرجہ ذیل ہوگئی۔

۱۔ حلقۂ مؤسسین	۱۷	۳۔ حلقۂ مستقل ارکان	۹۲
۲۔ حلقۂ محسنین	۱۸۰	۴۔ حلقۂ عام ارکان	۴۷۶

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے مختلف شعبہ جات کی کارگزاری درج ذیل ترتیب کے ساتھ آپ کے پیشِ خدمت ہے:

۱۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
۲۔ تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں
۳۔ قرآن اکیڈمی لائبریری
۴۔ قرآن اکیڈمی جنرل کلینک
۵۔ قرآن اکیڈمی دارالمطالعہ
۶۔ شعبہ حفظ القرآن

مکتبہ انجمن

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام جناب صدرِ مؤسس کی تصانیف و تالیفات کی طباعت و اشاعت، دروسِ قرآن و خطاباتِ عام کی آڈیو/ویڈیو کیسٹس کی تیاری اور تقسیم، ماہنامہ حکمتِ قرآن اور ماہنامہ میثاق لاہور کی طباعت و اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ عرصہ زیرِ رپورٹ میں مذکورہ شعبوں میں کارکردگی کی رپورٹ حسبِ ذیل ہے:

کُتب کی طباعت و اشاعت

مکتبہ انجمن نے تاحال محترم ڈاکٹر صاحب کی تینتیس[۳۲] سے زائد کتب شائع کی ہیں جن میں سے تین ضخیم ترین کتب 'استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ' (چھ ہزار چھ سو کی تعداد میں)، 'منہجِ انقلابِ نبوی' (تین ہزار تین سو) اور 'جماعت شیخ الہند' (دو ہزار دو سو) اس سال شائع کی گئیں۔ مزید برآں درج ذیل

کتب کے اضافی ایڈیشن بھی شائع کئے گئے ۔

راہِ نجات	۱۱۰۰	فرائضِ دینی کا جامع تصور	۲۲۰۰
دعوت الی اللہ	۱۱۰۰	استحکامِ پاکستان	۲۲۰۰
رسولِ کاملؐ	۳۳۰۰	استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ	۶۶۰۰
سانحۂ کربلا	۵۵۰۰	نبیؐ اکرمؐ سے تعلق کی بنیادیں	۵۵۰۰
نشأۃ ثانیہ	۲۲۰۰	تحریکِ جماعتِ اسلامی	۲۲۰۰
اسلام میں عورت کا مقام	۳۳۰۰	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	
عظمتِ صوم	۳۳۰۰	(انگریزی)	۲۲۰۰

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا انگریزی ترجمہ طباعت کے بین الاقوامی معیار پر شائع کیا گیا۔ کتاب کے مواد کی نہ صرف دوبارہ خوبصورت ٹائپ میں کمپوزنگ کروائی گئی بلکہ اس کا ٹائٹیل بھی جدید انداز میں آرٹسٹ سے تیار کروایا گیا۔ عرصہ زیرِ رپورٹ میں کتب کی فروخت پچھلے سال کے مقابلے میں بیس۲۰ فیصد زائد رہی۔ پچھلے سال اڑھائی لاکھ کی کتب فروخت ہوئیں جبکہ اس سال تین لاکھ سے زائد کی سیل ہوئی۔ کتب کی پبلسٹی پر کوئی قابلِ ذکر رقم خرچ نہیں کی گئی۔

آڈیو / ویڈیو کیسٹس

محترم ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن اور خطاباتِ عام پر مشتمل آڈیو / ویڈیو کیسٹس اسلام کے انقلابی فکر کو عام کرنے میں بہت اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ دو سو سے زائد عنوانات پر مشتمل یہ کیسٹس نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی کثیر تعداد میں پہنچ رہی ہیں۔ اور ان کی کھپت میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ آڈیو کیسٹس کی ماسٹر ریکارڈنگ سے لے کر اُن کی کاپیاں بنانے تک کے تمام مراحل الحمدللہ مکتبہ ہی کے زیرِ انتظام طے پاتے ہیں۔ عرصہ زیرِ رپورٹ میں ساڑھے سات ہزار کیسٹس تیار کرکے فروخت کی گئیں۔ کھپت میں اضافہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے سال کے مقابلے میں اس سال تیس فی صد زیادہ کیسٹ فروخت ہوئیں ...... تراسی۸۳ کیسٹس پر مشتمل دورۂ ترجمۂ قرآن کے چودہ۱۴ سیٹ اور چوالیس۴۴ کیسٹس پر مشتمل منتخب نصاب کے گیارہ سیٹ فروخت ہوئے ــــــ ویڈیو کیسٹس پر دروسِ قرآن اور دیگر خطابات کی ریکارڈنگ الحمدللہ ہم خود اپنے

انسٹرومنٹ سے کرتے ہیں۔ البتہ اس کی کاپیاں مارکیٹ سے بنوائی جاتی ہیں۔ عرصہ زیر رپورٹ میں دو سو انتالیس ۲۳۹ ویڈیو کیسٹس فروخت ہوئیں۔

ماہنامہ حکمتِ قرآن، لاہور

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور قرآن مجید کے علم و حکمت کی اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت میں الحمدللہ اہم رول ادا کر رہا ہے۔ اس سال کے دوران اس کی اشاعت باقاعدہ رہی۔ صرف ایک مرتبہ بعض ناگزیر وجوہات کے باعث جولائی اگست کا شمارہ یکجا شائع کرنا پڑا ــــ کوشش کے باوجود اس کی اشاعت میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں کیا جا سکا۔ مالی اعتبار سے پرچہ خسارے میں چل رہا ہے۔ کیونکہ ایک طرف کاغذ کی قیمتیں تیزی سی سے بڑھ رہی ہیں اور دوسری طرف سرکولیشن میں نمایاں اضافہ نہیں ہو سکا۔

ماہنامہ میثاق، لاہور

ماہنامہ میثاق لاہور جو تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام شائع ہوتا رہا جولائی ۸۷ء میں مکتبہ انجمن کو منتقل کیا گیا تھا۔ ہر ماہ الحمدللہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ فی الوقت چھ ہزار کی تعداد میں طبع ہوتا ہے۔ مالی اعتبار سے یہ پرچہ بھی خسارے میں چل رہا ہے۔ لیکن اس کا خسارہ اس میں شائع ہونے والے اشتہارات سے پورا ہو جاتا ہے۔

آئندہ سال کیلئے اہداف

۱۔ حکمتِ قرآن کی اشاعت میں اضافہ

حکمت قرآن فی الوقت اڑھائی ہزار کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔ دوران سال کوشش کی جائے گی کہ اس کی اشاعت پانچ ہزار تک بڑھا دی جائے۔ اس ہدف کو پورا کرنے کے لئے کچھ تجاویز زیر غور ہیں۔ توقع ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے ہدف کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

۲۔ رسولِ کاملؐ اور الہدیٰ کی ویڈیو کیسٹس پر منتقلی

ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے پروگرام رسولِ کاملؐ کو ایک پرائیویٹ ادارے ٹیلی سائن کے تعاون سے ویڈیو کیسٹ پر منتقل کرکے مارکیٹ میں لانے کی کوشش آخری مراحل میں ہے۔ توقع ہے

کہ سیرتِ رسولؐ کے موضوع پر جناب صدرِ مؤسس کی بارہ تقاریر کا یہ مجموعہ جو گذشتہ سات سال سے ٹیلیویژن کے اسٹور میں بند پڑا تھا افادۂ عام کے لئے انشاء اللہ یکم اپریل ۱۹۸۸ء کو مارکیٹ میں دستیاب ہو سکے گا۔ اس کوشش کی کامیابی کے بعد ٹی وی پروگرام الہدیٰ کو بھی انشاء اللہ العزیز اسی طرح مارکیٹ میں لایا جائے گا۔

۴۔ ماہنامہ 'میثاق' لاہور کی اشاعت میں اضافہ

ماہنامہ میثاق اس وقت چھ ہزار کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔ اس سال کے دوران انشاء اللہ اس کی تعداد دس ہزار تک پہنچانے کا ارادہ ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں

دو سالہ تعلیمی اسکیم

(۱) قرآن اکیڈمی کے دو سالہ تدریسی کورس کے بارے نئے سال کے شروع ہی میں مختلف وجوہات کے باعث یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ اس اسکیم کو مزید آگے نہ چلایا جائے۔ اس لئے سال اوّل میں نئے داخلے دینے کا کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن چند حضرات نے اس کورس میں داخلہ لینے کی غرض سے اپنے دفتر سے دو سال کی چھٹی لے لی تھی۔ اس لئے ان کے اصرار اور صدرِ مؤسس کی ہدایت پر سالِ اوّل کی کلاس بغیر کسی تشہیر کے شروع کر دی گئی۔ یہ ایک مختصر سی کلاس ہے اور اس میں تمام طلباء غیر مؤظف ہیں۔۔۔۔ قرآن اکیڈمی کی دو سالہ سکیم میں پہلے سال جن طالب علموں کو داخلے دیئے گئے تھے انہوں نے سالِ اوّل کامیابی سے مکمل کر لیا اور اس سال ان کی دوسرے سال کی تعلیم کا آغاز ہو گیا۔ اس طرح الحمدللہ کہ قرآن اکیڈمی کی سالِ اوّل اور سالِ دوئم دونوں کلاسوں میں تعلیم کا سلسلہ اطمینان بخش طور پر جاری ہے۔

قرآن کالج۔ ایک نئی تعلیمی اسکیم

(۲) ابتدائی مشکلات اور حوصلہ شکن حالات کے باوصف محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سال قرآن کالج کے نام سے انجمن کے نئے تعلیمی منصوبہ کا آغاز ہوا۔ اس اسکیم کے تحت انٹر پاس طلباء کو کالج میں داخلہ دے کر انہیں تین سال کے عرصے میں بی۔ اے کی باقاعدہ اور مناسب

تیاری کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور ترجمۂ قرآن و حدیث کا ایک بھرپور نصاب پڑھایا جائے گا۔
ابتداءً خیال تھا کہ کالج کا تعلیمی سال ہر سال شوال سے شروع ہو کر شعبان میں اختتام پذیر ہو اور رمضان میں سالانہ تعطیلات ہوں۔ چنانچہ شعبان ۱۴۰۷ھ میں پاکستان کے تمام کثیر الاشاعت اخبارات کے ذریعے داخلہ کا اعلان کیا گیا۔ لیکن داخلہ کے لئے وصول ہونے والی درخواستوں کی تعداد بڑی مایوس کن تھی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس وقت تک انٹر کے امتحانات شروع نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ کالج کا سال یونیورسٹی کے تعلیمی سال سے ہی منسلک کیا جائے اور داخلوں کو اکتوبر ۸۷ء تک ملتوی کر دیا گیا۔ دوبارہ تمام اخبارات کے ذریعہ داخلہ کا اعلان کیا گیا۔ درخواستوں کی تعداد اب بھی مایوس کن تھی لیکن مجموعی تعداد ۴۳ ہو گئی۔ تمام طلباء کو تحریری ٹیسٹ اور انٹرویو کے لئے بلایا گیا لیکن صرف ۲۶ طلباء نے اس میں شرکت کی۔ ان میں سے ۲۲ طلباء کا داخلہ منظور کیا گیا لیکن کل ۱۷ طلباء نے داخلہ لیا۔ بعد میں دو مزید طلباء کی شمولیت سے کلاس میں طلباء کی تعداد ۱۹ ہو گئی ہے۔

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۸۷ء بروز ہفتہ تعلیم کے آغاز کے سلسلے میں ایک پر وقار تقریب دعا منعقد ہوئی جس میں انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے طلباء سے خطاب فرمایا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث محترم مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ العالی نے بھی طلباء سے خطاب کیا اور دعائے خیر فرمائی۔ قرآن کالج کے لئے مولانا نے فرمایا کہ "یہ محض ایک کالج کا قیام نہیں ہے۔ بلکہ یہ جدید علوم کے ساتھ قرآنی علوم کو ہم آہنگ کرنے کی ایک تحریک ہے۔ اور یہ تحریک اگر چل نکلے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔"

ربِ کریم کی رحمت اور اسی کی نصرت و توفیق کے طفیل قرآن کالج میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ تسلی بخش انداز میں جاری ہے۔ گزشتہ دنوں انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ ایک خصوصی نشست میں کالج کے تمام طلبہ نے اساتذہ کی کاوشوں اور کالج کے تعلیمی معیار پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔

کالج میں طلبہ کے ماہانہ ٹسٹ اور ماہانہ جائزے کا ایک نظام اپنایا گیا ہے۔ جائزے کی ایک کاپی طلباء کے والدین کو براہِ راست بھیج دی جاتی ہے اور دوسری کاپی طلباء کو دے دی جاتی ہے۔ ان جائزوں کے جواب میں کچھ والدین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس

طریق کار کو بہت سراہا ہے۔

خط و کتابت کورس

(۳) وقتاً فوقتاً ہمیں تجویز موصول ہوتی رہتی تھی کہ قرآن کے انقلابی فکر کے فروغ کے لئے انجمن کو خط و کتابت کورس کو بھی ذریعہ بنانا چاہئیے ۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ انجمن اس سمت میں بھی اپنے سفر کا آغاز کرے اور " قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی " کے عنوان سے ایک کورس کا خاکہ تیار کیا گیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ اسے آخری شکل دینے سے پہلے مسلم اکادمی لاہور کے روحِ رواں حافظ نذر احمد صاحب سے راہنمائی حاصل کی جائے جو قرآن مجید کے خط و کتابت کورس کامیابی سے چلانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے جس خلوص، شفقت اور تندہی سے ہمارے اس نئے منصوبے میں دلچسپی لی اور راہنمائی کی۔ اس کے لئے انجمن حافظ نذر احمد صاحب کی انتہائی مشکور و ممنون ہے۔ ان کی ہدایات کے پیشِ نظر اس کورس کے خاکہ میں ضروری ترمیم اور تبدیلی کر کے اسے آخری شکل دی گئی اور دسمبر ۸۷ء میں اس کے لئے داخلہ کا اعلان کیا گیا۔ الحمدللہ کہ داخلہ کی رفتار انتہائی حوصلہ افزا رہی ہے اور بیرونِ ملک سے بھی کثیر تعداد میں لوگوں نے داخلہ کی درخواست دی ہے۔ ایک تخمینہ کے مطابق کورس کے پہلے گروپ پر انجمن کا تقریباً ایک لاکھ روپیہ صرف ہو گا۔

شعبۂ تصنیف و تالیف

(۴) جامعۂ پنجاب شعبۂ اسلامیات کے سابق سربراہ محترم حافظ احمد یار صاحب ابتدا ہی سے قرآن اکیڈمی میں جز وقتی معلّم کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن اکتوبر ۸۷ء سے وہ انجمن کو پورا وقت دے رہے ہیں تاکہ تصنیف و تالیف کا بھی کچھ کام ہو سکے۔ ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالےٰ ۱۹۸۸ء کے دوران اس میدان میں بھی انجمن کی جانب سے کچھ پیش رفت ہو گی۔

ایک اور منصوبہ

ایک صاحبِ خیر نے وسّن پورہ لاہور میں انجمن کو ایک پلاٹ اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہے کہ وہاں قرآنی تعلیمات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس جگہ کسی نئے تعلیمی منصوبہ کا مسئلہ

ابھی غور و فکر کے مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۹۸۸ء میں اس میدان میں بھی مناسب پیش رفت کی توقع ہے۔

قرآن اکیڈمی لائبریری

قرآن اکیڈمی کی لائبریری کا قیام اگرچہ اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی عمل میں آگیا تھا اسے عملاً لائبریری کی حقیقی صورت ۱۹۸۶ء میں اس وقت ملی جب مسجد کے تہ خانے کا بڑا ہال لائبریری کے لئے مختص کر کے اس میں کتابوں کے لئے الماریاں تیار کروائی گئیں اور لائبریری وہاں منتقل کی گئی۔ لائبریری کی منتقلی سے پہلے اس ہال میں دیمک سے تحفظ کے مناسب اقدامات کئے گئے اور ایسی کتابوں کو جو کسی بھی وقت دیمک وغیرہ سے متاثر ہوئی تھیں لاہور عجائب گھر کے تعاون سے عملِ تدخین (Fumigation) سے گزارا گیا۔

کتب

لائبریری کے مجموعۂ کتب کا ایک بڑا حصّہ محترم صدرِ مؤسّس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، ڈاکٹر شیر بہادر خان پنّی مرحوم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے عطیات پر مشتمل ہے۔

لائبریری کے Accession Register کے مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۸۷ء تک لائبریری میں موجود کتب کے تمام مجلدات (Volumes) کی تعداد ۳۲۷۵ تھی۔

۱۹۸۷ء کے دوران Accession Register میں ۱۲۷۵ کتب کا اندراج کیا گیا جن میں نصف سے زیادہ ایسی کتب شامل ہیں جو لائبریری میں باقاعدہ اندراج کے بغیر پہلے سے موجود تھیں۔ تاہم نئی کتب کی تعداد قریباً ۵۰۰ ہے۔

حصولِ کتب کا بڑا ذریعہ عطیات رہا۔ قریباً ۲۰۰ کتب رابطہ عالم اسلامی اور عرب ممالک کے دیگر اداروں سے موصول ہوئیں۔ ان اداروں کو قبل ازیں اس سلسلے میں خطوط تحریر کئے گئے تھے۔ اندرونِ ملک سے عطیات میں زیادہ تر وہ کتابیں شامل ہیں جو محترم صدرِ مؤسّس کو ذاتی طور پر عطیے میں ملتی رہیں اور انہوں نے یہ لائبریری کو عنایت کر دیں۔ بعض عطیات لائبریری کو براہِ راست بھی موصول ہوئے۔

سال کے دوران جو کتب خریدی گئیں ان کے تمام مجلات کی مجموعی تعداد قریباً ۱۰۰ ہے

اجرائے کُتب

سال کے دوران رکن حضرات کو ۶۴۸ کُتب کا اجراء کیا گیا ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۷ء کو مختلف حضرات کے نام اجراء شدہ کُتب کی تعداد ۱۲۵ تھی ۔

درجہ بندی اور فہرست سازی

کُتب کی باقاعدہ درجہ بندی (Classification) اور فہرست سازی (Cataloguing) کا کام ۱۹۸۷ء کے وسط میں شروع کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے بین الاقوامی نظامِ درجہ بندی (D.D.C) اور مختلف ملکی لائبریریوں کے نظام ہائے درجہ بندی سے مدد لے کر ایک "جامع درجہ بندی سکیم" تیار کی گئی ، جس کی روشنی میں کُتب کی درجہ بندی اور فہرست سازی کے کام کا آغاز ہوا ۔ سال کے آخر تک اس کام کا دو تہائی حصہ مکمل ہوا ۔

رسائل و جرائد

لائبریری میں موصول ہونے والے ، ماہی ، ماہوار ، پندرہ روزہ اور ہفت روزہ رسائل و جرائد کی مجموعی تعداد ۸۰ سے متجاوز ہے ۔ چند ایک غیر معیاری جرائد کے سوا باقی تمام رسائل و جرائد کا باقاعدہ اندراج رکھا جاتا ہے اور سالانہ یا ششماھی فائلوں کی صورت میں محفوظ رکھا جاتا ہے ۔ ڈاک میں موصول نہ ہونے والے یا کسی وجہ سے گم ہو جانے والے پرچے دوبارہ منگوانے کا بندوبست کیا جاتا ہے ۔

اخبارات کی کم از کم چھ ماہ کی مرتّب فائلیں محفوظ رکھی جاتی ہیں ۔ نیز اخبارات کے جمعہ میگزین اور اہم ایڈیشنوں کی فائلیں الگ سے ترتیب دی جاتی ہیں ۔

تمام اخبارات میں سے انجمن یا تنظیم کی دعوت سے متعلق خبریں اور مضامین ۔ نیز اہم ملّی مسائل سے متعلق مضامین کے تراشے فائل کئے جاتے ہیں ۔

اشاریہ 'میثاق' و 'حکمتِ قرآن'

۱۹۸۷ء کے آخر میں لائبریری کے زیرِ اہتمام "میثاق" کا پانچ سالہ اشاریہ (ابتدائے

۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۷ء، اور "حکمتِ قرآن" کا ایک سالہ اشاریہ برائے ۱۹۸۷ء ترتیب دیا گیا جو دونوں ماہناموں کے دسمبر ۸۷ء کے شماروں میں شاملِ اشاعت کر دیا گیا تھا۔

ویڈیو فلمیں

لائبریری میں وقتاً فوقتاً دینی، علمی اور تاریخی موضوعات پر ویڈیو فلمیں دکھانے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک رنگین ٹیلیویژن لائبریری میں رکھا گیا ہے۔

قرآن اکیڈمی جنرل کلینک

قرآن اکیڈمی کلینک کو قائم ہوئے چار سال بیت چکے ہیں۔ الحمدللہ کلینک کے پیشِ نظر کام مستقل مزاجی کے ساتھ جاری ہے۔ روزانہ شام عصر تا عشاء کے اوقات اس کے لئے مختص ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے قرب و جوار میں رہنے والے درمیانی طبقہ سے متعلق اکثر حضرات اس کلینک سے استفادہ کرتے ہیں۔

سال ۱۹۸۷ء کے آغاز ہی سے ڈاکٹر عارف رشید کو ان کی تدریسی اور تنظیمی ذمہ داریوں کے باعث کلینک کی ذمہ داری سے فارغ کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ ڈاکٹر نجیب الرحمٰن کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں۔ موصوف نے ۱۹۷۵ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے گریجویشن کیا اور پھر سات سال کے لئے ایران کے ایک سرکاری ہسپتال میں بطور ریذیڈنٹ میڈیکل آفیسر کام کیا۔ بعدہٗ پاکستان منتقل ہو گئے۔ ہماری انجمن کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگی محسوس کرتے ہوئے اپنی خدمات قرآن اکیڈمی جنرل کلینک کے لئے پیش کر دیں۔ آغازِ سال ہی سے انتہائی تندہی اور مستعدی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر عارف رشید کا تعلق امراضِ چشم کے علاج معالجے کی حد تک کلینک کے ساتھ اب بھی قائم ہے۔ یاد رہے کہ شعبۂ امراضِ چشم سے متعلق تمام Medical Equipments ایک صاحبِ خیر کی جانب سے کلینک کے لئے دو سال قبل ہی مہیا کر دیا گیا تھا۔

قرآن اکیڈمی جنرل کلینک بہت ہی معمولی ادائیگی کے عوض اہالیانِ قرب و جوار کو علاج معالجے کی سہولت فراہم کرتی ہے۔ مشورہ کے لئے الگ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ اوسطاً دو دن کی معیاری دوائی کے لئے دس یا بارہ روپے وصول کئے جاتے ہیں جو قریب کی دوسری کلینکس کی نسبت

بہت کم ہیں۔ البتہ اگر بعض قیمتی ادویات تجویز کی جائیں تو مریض کی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُن کی قیمت بھی وصول کی جاتی ہے۔

سال ۱۹۸۷ء کے دوران تقریباً چار ہزار مریضوں نے کلینک سے استفادہ کیا۔ آمد و خرچ کا حساب کتاب ذیل میں درج ہے:

۱۔ مریضوں سے آمدہ کُل رقم (یکم جنوری تا ۳۱ دسمبر ۸۷ء)	۳۱۶۶۴/-	روپے
۲۔ ادویات وغیرہ پر خرچ شُدہ کُل رقم	۱۱۰۹۹/-	"
۳۔ ڈاکٹر اور ڈسپنسر کی تنخواہ	۲۰۷۸۷/-	"
۴۔ دیگر متفرق اخراجات	۵۵۲/-	"
۵۔ میڈیسن اسٹاک ۳۱ دسمبر ۱۹۸۶ء	۴۶۵۵/-	"
۶۔ " " ۳۱ دسمبر ۱۹۸۷ء	۳۶۰۵/-	"

مریضوں سے آمدہ کل رقم میں سے ڈاکٹر صاحب اور ڈسپنسر کی تنخواہ، دیگر اخراجات اور میڈیسن کے اسٹاک کے فرق کو منہا کر کے سال ۱۹۸۷ء کے دوران مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور نے قرآن اکیڈمی کلینک پر مبلغ ایک ہزار آٹھ صد چوبیس روپے (-/۱۸۲۴ روپے) خرچ کئے۔

قرآن اکیڈمی دارالمطالعہ

جامع مسجد قرآن اکیڈمی کے اس حصّہ میں جہاں پہلے پوسٹ آفس کی برانچ قائم تھی ۔۔۔ ۱۳ جولائی ۸۷ء سے ایک ذیلی دارالمطالعہ و کیسٹ / کتب لائبریری کی بنیاد رکھی گئی۔ اس دارالمطالعہ و لائبریری کے لئے اردو / انگریزی کے روزنامے، مختلف دینی رسائل و جرائد، امیرِ تنظیم اسلامی کی کتب اور اُن کے دروسِ قرآن مجید و دیگر خطابات کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس مرکزی مکتبہ انجمن خدّام القرآن اور قرآن اکیڈمی کی لائبریری سے مہیا کئے جاتے ہیں۔ روزانہ کم از کم چھ اخبارات (۴ اردو و ۲ انگریزی)، جو دن کے وقت قرآن اکیڈمی لائبریری میں پڑھے جا چکے ہوتے ہیں، نمازِ عصر کے فوراً بعد نئے دارالمطالعہ میں لائے جاتے ہیں اور دوسرے دن صبح واپس کر دیئے جاتے ہیں۔

اس اضافی انتظام کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ اکثر اوقات کئی اصحاب دور دراز علاقوں

سے انجمن کے دفاتر بند ہو جانے کے بعد ہماری کتب اور خاص طور پر محترم **ڈاکٹر صاحب کے نئے** اور پرانے خطابات کے کیسٹس کے حصول کے لیئے آتے ـــــــ اور اس طرح مکتبہ کے شائق اور لبعد از وقت آنے والے حضرات کو مشکل پیش آتی رہی۔ اس بات کے پیش نظر اور ملازمت د کاروباری حضرات کی سہولت کی خاطر اس دارالمطالعہ کے اوقات کار روزانہ عصر تا عشاء اور جمعۃ المبارک کے دن لبعد از نماز جمعہ رکھے گئے ہیں۔ اور یہی فرصت کے اوقات لوگوں کے اخبارات، کتب و رسائل/ جرائد کے ایک پرسکون ماحول میں مطالعہ کے لیئے موزوں سمجھے گئے۔ اور اب تک کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔

ان انتظامات کی تشہیر پہلی دفعہ بذریعہ ہینڈ بلز (Hand Bills) اور پھر لبعد از خطبہ جمعہ اعلانات میں ہوتی رہی۔ اب لبفضل تعالےٰ یہ دارالمطالعہ اور لائبریری وہ مقاصد پورے کر رہے ہیں جن کے لیئے انہیں قائم کیا گیا تھا۔

دارالمطالعہ اور لائبریری تین حصوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ ان میں سب سے بڑا شعبہ آڈیو/ ویڈیو کیسٹس کا ہے جس کا بذریعہ رکنیت بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس ایک مکمل سیٹ الہدیٰ، ۲ سیٹ دورۂ ترجمہ قرآن (رمضان المبارک ۱۹۸۵ء) اور دو سیٹ نشر القرآن کیسٹ سیریز کے ہیں۔ متذکرہ بالا تمام کیسٹس اور نشر القرآن سیریز کا ایک سیٹ اراکین لائبریری کو عاریتاً برائے سماعت و واپسی دیئے جاتے ہیں اور دوسرا سیٹ برائے فروخت موجود رہتا ہے۔

ب۔ مزید برآں ۲۷ عدد وڈیو کیسٹس (عطیہ از جناب شجاعت علی خاں) اراکین کے استفادہ کے لیئے رکھے گئے ہیں۔ یہ سیٹ محترم ڈاکٹر صاحب کے اندرون وبیرون ملک دروس قرآن مجید اور مختلف موضوعات کے خطابات پر مشتمل ہے۔ ان کیسٹوں کو کو بہت پسند کیا گیا ہے اور ان کی مانگ بڑھ رہی ہے۔

. مکتبہ انجمن خدام القرآن کی شائع کردہ کتب و کتابچوں کے تین مکمل سیٹ ادارہ کو فراہم کیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک سیٹ کی تمام کتب دارالمطالعہ کے شیلفوں پر روزمرہ کے مطالعہ کے لیئے رکھی گئی ہیں۔ یہ دارالمطالعہ سے باہر نہیں لے جائی جا سکتیں۔ دوسرا

سیٹ شیشے کی الماریوں میں دلکش انداز کے ساتھ برائے فروخت لگا رکھا ہے اور تیسرا سیٹ فروخت شدہ کتب کی فوری تبدیلی کے لئے موجود رہتا ہے۔

ج۔ دارالمطالعہ کا تیسرا شعبہ تازہ اخبارات اور ملک بھر کے مشہور ماہناموں اور وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے رسائل و جرائد کے ساتھ آرام دہ نشستوں پر ان سب حضرات کے لئے ریڈنگ روم کی سہولت مہیا کر رہا ہے جو دارالمطالعہ کے باقاعدہ اراکین کی فہرست پر نہیں ہیں۔

شعبہ حفظ القرآن

قرآن اکیڈمی کے پیش نظر کرنے کا اصل کام تو فی الواقع یہی ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین نوجوان اپنی پوری زندگی کو خدمت قرآن کے لئے وقف کر دیں۔ تاہم جامع القرآن (قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد) کی مناسبت سے عرصہ تین سال سے حفظ القرآن کا شعبہ الحمدللہ بہت کامیابی کے ساتھ خدمت قرآن میں مصروف ہے۔ جامعہ مدنیہ، کے سابق استاد جناب قاری محمد سعید صاحب اس شعبے کے انچارج ہیں اور انتہائی محنت اور تندہی کے ساتھ اس بابرکت خدمت میں مصروف ہیں۔ شعبۂ حفظ میں جنوری ۸۷ء تا دسمبر ۸۷ء اوسطاً تعداد طلبہ ۲۵ رہی ہے۔ ــــ کل چار طلباء نے سال ۸۷ء کے دوران حفظ مکمل کرلیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے تفصیل درج کی جا رہی ہے:-

نمبر شمار	طلباء کے نام	عمر	اسکول کی تعلیم	عرصہ برائے حفظ قرآن
۱	حافظ محمد کاشف	۱۰ سال	کلاس پنجم	۱۴ ماہ ۱۰ یوم
۲	حافظ محمد عاطف	۱۱ ؍	؍ مڈل	۱۷ ؍ ـــــ
۳	حافظ محمد عامر	۱۵ ؍	؍	۱۸ ؍ ـــــ
۴	حافظ محمد جواد	۹ ؍	؍ دوم	۱۲ ؍ ـــــ

روزانہ بعد نماز عصر تا مغرب کے اوقات (سوائے جمعۃ المبارک کے) ناظرہ کلاس کے لئے مختص ہیں۔ گرد و پیش کے علاقے کے رہنے والے بچے ناظرہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ دوران

سال سات طلباء وطالبات نے ناظرہ قرآن مکمل کیا ہے۔ اوسطاً اس کلاس میں طلباء وطالبات کی تعداد ۲۵ رہتی ہے۔

حضراتِ محترم! مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے مختلف شعبہ جات کی سالانہ کارگزاری پیش کرنے کے بعد اب میں چاہتا ہوں کہ چند متفرق نوعیت کے امور آپ کے گوش گزار کر دوں جو ہمارے پیشِ نظر اصل ہدف " یعنی قرآن حکیم کی تعلیمات کو اعلیٰ علمی و فکری پیمانے پر پیش کرنا " کے ضمن میں انجام دیئے گئے۔

یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ انجمن کے زیرِ اہتمام ہر سال قرآن کانفرنس یا محاضراتِ قرآنی کی مختلف نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔ عموماً ان نشستوں کے لئے 'جناح ہال' لاہور کا انتخاب کیا جاتا ہے تاہم دو بار قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد کو بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ یہ مجالس وہاں منعقد ہوئیں ـــــ ارضِ پاکستان کے چوٹی کے دانشور حضرات اور علمائے کرام کو بالخصوص ان محافل کے لئے زحمت دی جاتی رہی ہے، یہ سراسر اللہ تعالےٰ کا شکر اور فضل ہے کہ ہر قسم کے گروہی تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء ہمارے ساتھ تعاون فرماتے رہے، گذشتہ سال اہلِ حدیث کے جیّد عالم جناب شاہ بدیع الدین صاحب پیر جھنڈا اور بریلوی مکتبِ فکر کے ممتاز عالمِ دین جناب مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے بھی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے انتہائی وسعتِ قلبی کے ساتھ اپنے اپنے خیالات پیش کئے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام مسائل کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ آپس کے تمام اختلافات اور گروہی تعصبات کو پس پشت ڈال کر کتاب اللہ کو اصل سہارا متصوّر کرتے ہوئے اسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیں۔ بفحوائے آیتِ قرآنی :

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا ٭ "تم سب مل جل کر اللہ کی مضبوط رسی (قرآن حکیم) کے ساتھ چمٹ جاؤ اور باہم تفرقہ میں مت پڑو"

غالباً یہی وہ مفہوم ہے جس کو علامہ اقبال اپنے شعر میں بیان فرمایا ہے:

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اور ؎ بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

قرآن اکیڈمی کے پیشِ نظر کرنے کا اصل کام' یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ایسے نکل آئیں جو تعلیم و تعلم قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ــــ الحمدللہ اب ہمارے پاس کئی نوجوانوں کی ایسی کھیپ موجود ہے جو ارضِ لاہور میں مختلف مقامات پر ہفتہ وار دروس کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے نازل کردہ ابدی ہدایت نامے یعنی قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کر رہے ہیں۔

اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن اکیڈمی کے ساتھ ساتھ ' قرآن کالج' کے منصوبے پر عمل شروع کیا گیا ــــ A-191 - اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور میں ایک قطعہ اراضی جو لگ بھگ پونے چھ کنال پر مشتمل ہے، ایل ڈی اے سے حاصل کیا گیا اور جنوری ۱۹۸۷ء میں اس کی تعمیر شروع کر دی گئی - اس پورے منصوبے پر تخمینہ لگ بھگ ساٹھ لاکھ روپے ہے ہم نے محض اللہ تعالےٰ کی تائید اور بھروسے پر اس منصوبے کا آغاز کر دیا (السَّعْیُ مِنَّا وَالْاِتْمَامُ من اللّٰہ) شروع ہی میں انجمن کے محدود ذرائع اس خرچ کے متحمل نہ ہو سکے لہٰذا مجلسِ منتظمہ کے ارکان کے فیصلہ پر ایک Fund Raising Lunch کا اہتمام کیا گیا جس کے لئے پرل کونٹی نینٹل ہوٹل میں اہتمام کیا گیا ــــ الحمدللہ یہ پروگرام توقع سے کہیں بڑھ کر کامیاب رہا۔ اور وابستگانِ انجمن کے ساتھ ساتھ دیگر حضرات نے بھی مبلغ ایک ہزار روپیہ خرچ کر کے کارڈ حاصل کئے ۔ صدرِ مؤسس کا تفصیلی خطاب "ہم اور ہمارا کام" کے عنوان سے ہوا۔ اس پروگرام کے نتیجے میں کارڈوں کی فروخت کے عوض مبلغ دو لاکھ ترپن ہزار روپے حاصل ہوئے جبکہ ہوٹل کے اخراجات کل انیس ہزار روپے تھے۔ گویا مبلغ دو لاکھ چونتیس ہزار روپے قرآن کالج کی تعمیر کے فنڈ میں اکٹھے ہوئے ۔

****

اختتامیہ

حضراتِ گرامی!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی سال ۱۹۸۸ء کی کارگزاری آپ حضرات پڑھ چکے ہیں۔ ہماری کاوشوں میں جو کچھ بھی خیر ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت کی مرہونِ منّت ہے اور جو کچھ بھی کوتاہیاں رہ گئیں ہیں وہ یقیناً ہمارے نفوس کی شرارت کے باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص نیت کی دولت سے نوازے اور راہِ مستقیم پر گامزن رکھے آپ سے ہم جہاں نیک دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں وہاں اس کے بھی خواہشمند ہیں کہ آپ ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے ضرور نوازتے رہیں اور کلام اللہ کی تعلیمات کو اعلیٰ ترین علمی و فکری سطح پر پیش کرنے میں اپنے مال کو خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا قیمتی وقت بھی ہمیں ضرور دیں۔

قرطاسِ آمد و خرچ دورانِ سال ۱۹۸۷ء

تفصیل آمدن

وصولی عطیات

عطیات تعمیراتی فنڈ قرآن اکیڈمی	۱۰,۸۴,۰۴۰/-
عطیات تعمیراتی فنڈ قرآن کالج آڈیٹوریم	۱,۱۱,۷۲۵/-
ابتدائی زرِ تعاون محسنین	۱۹,۵۳,۳۳۱/-
ابتدائی زرِ تعاون مستقل ارکان	۸۰,۰۰۰/-
	۸,۰۰۰/-

تفصیل اخراجات

تعمیراتی اخراجات برائے قرآن کالج و آڈیٹوریم	۷,۶۴,۲۹۷/-
تعمیراتی اخراجات برائے قرآن اکیڈمی	۲,۷۰,۳۹۶/-
دیگر کل نوعیت کے اخراجات	۸,۶۶,۲۰۴/-
اخراجاتِ انجمن منہا ہونے کے بعد آمدن	۲,۱۷,۸۳۶/-

(تفصیل بیلنس شیٹ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

الحمد للہ کہ — اس رمضان المبارک میں

ڈاکٹر اسرار احمد

جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں
نماز تراویح کے ساتھ جو

ترجمۂ قرآن مع مختصر تشریح

بیان فرمارہے ہیں وہ ٹیلیفون ریلے سسٹم
کے ذریعے لاہور میں ۶۴ مقامات پر سنا جارہا ہے

جس کے لیے ہم اپنی اور سامعین کی جانب سے محکمہ ٹیلیفون
کے ذمہ دار حضرات اور کارکنوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

MAY 1988 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE
VOL. 7
NO. 4,5

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ